CONTRIBUTION OF QAZI ATHAR MUBARAKPURI TO ARABIC STUDIES : A CRITICAL STUDY

SUMMARY

THESIS SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

ARABIC

By

MOHD AMIRUL HASSAN

UNDER THE SUPERVISION OF

PROF. M. SALAHUDDIN UMARI

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH-202002 (INDIA)

2010

عربی ادبیات میں قاضی اطہر مبارکپوری کا حصہ

ایک تنقیدی مطالعہ

تلخیص

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

عربی ادب

نگراں

پروفیسر محمد صلاح الدین عمری

مقالہ نگار

محمد امیر الحسن

شعبۂ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ یوپی

۲۰۱۰ء

الحمد للّٰہ الذی علم الانسان مالم یعلم والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ،

امابعد

باب اول : قصبہ مبارکپور کی علمی وثقافتی خدمات

اس قصبہ کا نام پہلے قاسم آباد تھا، راجہ سید حامد شاہ مانک پوری (م ۹۶۵ھ) شیخ حسام الدین متوفی ۸۵۲ھ کے خلیفہ تھے اور شاہان شرقیہ کے دور میں جونپور آکر رہنے لگے تھے، انہیں کی اولاد میں راجہ مبارک شاہ بن راجہ سید احمد شاہ بن راجہ سید نور شاہ بن راجہ سید حامد شاہ مانک پوری نے دسویں صدی ہجری میں شہنشاہ ہمایوں کے دور ۹۳۷ھ تا ۹۶۲ھ میں یہاں آکر قاسم آباد کے کھنڈروں پر اپنے نام سے مبارک پور قصبہ کی نئی تعمیر کی، اپنے ہمراہ کڑا مانک پور سے ایک علمی، دینی اور روحانی خانوادہ کو لاکر مبارک پور میں بسایا جو قصبہ اور اطراف میں دینی امور کا معتمد ومتولی بنا اور نیابت قضا کے منصب پر نسلاً بعد نسلٍ فائز رہا، اسی علمی خانوادہ کے ایک روشن چراغ قاضی اطہر مبارک پوری صاحب تھے۔

مبارک پور اعظم گڑھ کے ان معروف ومشہور قصبات میں شامل ہے جنہیں ماضی میں آفتاب علم اور شیراز ہند جونپور نے ضیاپاش کیا، اس قصبہ کے علماء کی جو عظیم خدمات رہی ہیں ان کی مثال روز روشن کی طرح عیاں ہیں، اس قصبہ میں مستقل تعلیمی اداروں کی بھی کمی نہیں رہی جامعہ احیاء العلوم، جامعہ اشرفیہ، دارالتعلیم و باب العلم یہاں کے مشہور مدارس ہیں، علوم اسلامیہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم پر یہاں خاص توجہ دی جاتی ہے دارالافتاء اور دارالتصنیف وتالیف اس کے دو اہم شعبے ہیں، علم وفن کے علاوہ پارچہ بافی کی صنعت کی وجہ سے بھی مبارک پور کو ہند وبیرون ہند میں کافی شہرت ملی، یہاں ہینڈلوم کے ذریعہ مختلف قسم کے سوتی وریشمی کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔

باب دوم:- قاضی اطہر مبارکپوری کی ولادت، حیات و آثار،

قصبہ مبارک پور کے ممتاز عالم قاضی اطہر مبارک پوری ۷رمئی ۱۹۱۶ء کو مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ محترمہ ایک نیک خاتون تھیں، اپنے گھر پر محلے کے بچوں کو قرآن مجید اور اُردو کی تعلیم دیا کرتی تھیں، فرصت کے لمحات میں اپنے اندر دینی و مذہبی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب و تحریص بھی رکھتی تھیں، انہیں انبیاء وصلحاء کے واقعات زبانی یاد تھے جو وقتاً فوقتاً قاضی صاحب کو سناتی تھیں، مگر باقاعدہ تعلیم کے لیے انہیں محلے کے گھریلو مکتب میں بھیجا گیا، اس کے بعد انہیں مدرسہ احیاء العلوم میں داخل کیا گیا، حافظ علی حسن صاحب مرحوم سے قرآن شریف پڑھی۔ مدرسہ جانے سے پہلے ہی انہیں اُردو پڑھنے کی شُد بُد پیدا ہوگئی تھی، قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اردو کی تعلیم منشی عبدالوحید صاحب لاہر پوری مرحوم سے حاصل کی، ریاضی کی تعلیم منشی اخلاق احمد صاحب سے مدرسہ میں حاصل کی۔

اس زمانہ میں انہیں دوسرے کھیلوں کے ساتھ کبوتر بازی کا شوق ہوگیا اور کئی سال تک یہ مشغلہ جاری رہا جس کی وجہ سے مدرسہ میں ناغہ ہوجاتا تھا، ایک مرتبہ ان کے والدہ مرحوم نے ان کی خوب پٹائی کی اور گھسیٹتے ہوئے مدرسہ لے گئے، اس کے بعد قاضی صاحب بالکل سیدھے ہوگئے اور باقاعدہ مدرسہ جانے لگے، ۱۳۴۶ھ میں ان کے نانا مرحوم کی کتاب (سبیل الآخرت) پہلی بار چھپ کر آئی جس کے پڑھنے اور سننے کے بعد موت قبر اور قیامت کا خوف طاری ہوگیا، فارسی کی تعلیم مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوری سے حاصل کی اس کے بعد عربی تعلیم کا دور آیا، تقریباً دس سال قاضی صاحب کے عربی تعلیم کا زمانہ ہے جس وقت عربی کی تعلیم شروع کی اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی، ۱۳۵۲ھ میں جب قاضی صاحب کافیہ وغیرہ پڑھ رہے تھے ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا جس کے صدمہ سے ان کی اٹھتی جوانی خاک میں ملنے لگی، سالوں غم واندہ کی وادی میں بھٹکتے رہے۔ طلب علم کا زمانہ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۹ھ تک ہے طالب علمی کے دور ۱۳۵۳ھ ہی سے

آپ کے اشعار اور مضامین شائع ہونے لگے، پھر معیاری رسائل، معارف، برہان، اور دارالعلوم میں، طبع ہونے لگے، فراغت کے بعد ۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۴ھ پانچ برس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں درس و تدریس سے وابستہ رہے، فروری ۱۹۵۱ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک چالیس برس سے زائد مدت تک روز نامہ انقلاب بمبئی میں علمی، تاریخی، دینی و سیاسی مضامین لکھتے رہے، اور یہ انقلاب کے ذمہ داروں کی قدر دانی کی بات ہے کہ آج تک اس کالم کو موصوف کی یاد میں ''بیادگار قاضی اطہر مبارکپوری'' جاری رکھا ہوا ہے، قاضی صاحب عمومی زندگی کے نام نہاد رکھ رکھاؤ اور تزک و احتشام سے بے نیاز تھے بڑی سے بڑی مجلس میں ان کو اپنی سادگی پر کبھی شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا تھا وہ اپنے دور کی انسانی بھیڑ میں ایک نمایاں مردِ درویش اور جل صالح کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، قاضی صاحب کی دینی حمیت، غیرت اسلامی، عزتِ نفس اور بے لوثی ان کی داستان حیات کے روشن ابواب ہیں۔

باب سوم:- قاضی اطہر مبارکپوری، بحیثیت ادیب، ادبی خدمات، علمی و دینی اسفار،

قاضی اطہر مبارک پوری اپنے عظیم الشان علمی و تحقیقی کارناموں کی بدولت بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ درسیات کی تکمیل کے بعد پہلے انہوں نے صحافت کا مشغلہ اختیار کیا، زمزم اخبار اور روز نامہ انقلاب سے منسلک رہے اور ایک طویل عرصہ تک ماہنامہ البلاغ کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، پھر انہوں نے علمی و تحقیقی کاموں کی جانب اپنا رُخ موڑا اور تحقیق و جستجو کی دنیا میں غرق ہو کر وہاں سے ایسے آبدار ہوتی نکالے کہ برصغیر ہند و پاک کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ کے علماء و دانشوروں نے بھی ان پر داد تحسین پیش کی۔ ان کی دلچسپی کا خاص میدان تاریخ و سیر تھا، تاریخ میں خاص طور سے انہوں نے عہد اسلامی کے ہندوستان کے اولین حصہ کو منتخب کیا اور اس عہد میں عرب و ہند کے تعلقات پر اپنی تحقیقات عالیہ کو متعدد کتابوں میں پیش کیا، جن میں خاص طور سے قابلِ ذکر یہ ہیں، عرب و ہند عہد رسالت میں، خلافت راشدہ اور ہندوستان، خلافت امیہ اور

ہندوستان، خلافت عباسیہ اور ہندوستان، اور اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ، ان کتابوں کے ذریعہ انہوں نے قدیم دور میں عرب وہند کے تعلقات کے بہت سے مخفی گوشوں کو واضح کیا اور ہندوستان کی عظمتِ رفتہ کے نقوش پر پڑی ہوئی گرد کو صاف کیا، اس موضوع پر ممتاز عالم دین سید سلیمان ندوی کے بعد قاضی صاحب نے قلم اٹھایا اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا قدیم دور میں عرب و ہند کے تعلقات کی کڑیاں تلاش کرنا اور انہیں ملانا آسان کام نہ تھا سیکڑوں کتابوں کو کھنگھال کر انہوں نے معلومات کا ایسا خزانہ جمع کیا کہ انہیں پیش کرنے کے لیے ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوگئے، اسی طرح سندھ کے علماء اور اس سرزمین پر فروکش ہونے والے صحابہ وتابعین سے متعلق ان کی دوسری عربی کتب ''رجال السندو الہند'' اور ''العقد الثمین فی فتوح الہند'' ہندو بیرون ہند کی علمی دنیا میں کافی مقبول ہوئیں، مزید براں ۲۹۲ر صفحات پر مشتمل ان کی اردو کتاب ''تذکرہ علماء مبارک پور'' اس قصبہ کی دینی وعلمی تاریخ کا بہترین مرقع ہے، جو اس سرزمین کی اہمیت وعظمت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، ان کی دوسری کتاب ''دیار پورب میں علم وعلماء'' اس خطہ کی علمی تاریخ پر ایک قیمتی دستاویز ہے، قاضی صاحب نے اپنی کاوش وتحقیق اور مزید نایاب مآخذ سے استفادہ کر کے اس زمین کو آسمان بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے، قاضی صاحب کی ان گرانقدر تصانیف ہی سے ہم پر اس تاریخی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ سے مختلف تہذیبوں کا سنگم اور اعلیٰ تمدن کا گہوارہ رہی ہے، قاضی صاحب کی تحقیقات سے ہماری معلومات میں یہ بھی اضافہ ہوتا ہے کہ عربوں نے ہندوستان میں صرف سیاست رانی اور جہانبانی ہی کے جوہر نہیں دکھائے بلکہ انہوں نے یہاں اسلامی علوم وفنون کی ہر شاخ کو گرانبار کیا اور اپنے شاندار علمی کارناموں سے اس ملک کو اقوام عالم کی صف میں لاکر کھڑا کیا، قاضی صاحب ایک مؤرخ تھے تاریخ اسلام ان کا خاص موضوع تھا اور دنیا انہیں اسی حیثیت سے جانتی تھی۔

قاضی صاحب نے اپنی پوری زندگی تصنیف وتالیف، علمی و دینی خدمات اور ملی وقومی

کاموں میں بسر کی، قاضی صاحب محدث، فقیہ، مفتی اور مصنف سب کچھ تھے، ان کے مختلف الجہات علمی و دینی کارنامے خصوصاً تصنیفی و تالیفی خدمات ایک اکیڈمی کی کارکردگی کے برابر ہیں۔

باب چہارم : قاضی اطہر مبارکپوری ایک شاعر

قاضی صاحب اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے قاضی صاحب نے اپنے حالات میں ایک جگہ اپنے ماموں مولانا محمد یحیٰ رسول پوری کو چھوڑ کر باقی اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے اساتذۂ کرام میں کوئی ادیب، شاعر، مصنف یا تنقید نگار نہیں تھا، مگر میں ان ہی سے تعلیم حاصل کر کے سب کچھ ہوا یہ ان کے خلوص اور میری ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے، قاضی صاحب کو عہد طالب علمی میں شعر و سخن سے بھی دلچسپی رہی ہے اس وقت آزادی کی تحریک اپنے شباب پر تھی قصبہ مبارکپور بھی جلسے جلوس اور تحریک آزادی کے نغموں سے گرم رہتا تھا انہوں نے یہاں کے جلسوں میں بارہا آزادی پر اپنی نظمیں پیش کیں اور سامعین سے داد تحسین حاصل کی، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قاضی صاحب کا میلان طبع شاعری کی طرف کیوں ہوا؟ وہ کون سے اسباب وعوامل تھے، جنہوں نے ان کی فکر کو شاعری کا کوچہ دکھایا طبعی رجحان کے مظاہرے کے بارے میں اب یہ بات ایک تسلیم شدہ حقیقت بھی بن چکی ہے کہ خارج میں پہلے ہی سے وہ تمام عناصر، اثرات یا اسباب موجود رہتے ہیں، جو ذہن و فکر کے بنانے اور سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، جن کو ہم ماحول کا نام دیتے ہیں، اگرچہ وہ عام نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں یا انسان کو وہ میلان و رجحان وراثتاً و نسلاً ملتے ہیں، جو زندگی کا قطب نما درست کرتے ہیں چونکہ انسان اس عالمِ اسباب سے رشتۂ زندگی رکھتا ہے، اس لیے ہر سبب کا مسبب ضرور ہوتا ہے، قاضی صاحب کا تعلق جس دور سے اور جس طرزِ تعلیم سے تھا اس میں ادب و شعر، زبان و بیان، قواعد وعروض کو خاص اہمیت حاصل تھی، قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ''اردو تعلیم ہی کے زمانہ سے شعر و شاعری کا ذوق اُبھرنے لگا تھا، اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال کی تھی، مضمون نگاری کی طرح شعر و شاعری میں

بھی کسی سے اصلاح یا مشورہ کی ضرورت نہیں پیش آئی اور اپنے ذوق ہی کو رہنما بنایا، خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھا تو اس میں بھی بہت زیادہ انہماک ہوگیا'' (۱) اس انہماک شعری کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی صاحب کا زیادہ وقت شاعری کی نذر ہونے لگا یہی نہیں بلکہ ان کے اپنے لفظوں میں خواب میں بھی شاعری کرنے لگے اور نیند ان کی شعری صلاحیتوں کو جگانے لگی، وہ لکھتے ہیں کہ شعرو شاعری کا ذوق ابھرا تو اتنا غلو ہوا کہ خواب میں اشعار کہنے لگا اگر یہ صورت باقی رہتی تو اچھا خاصا شاعر بن گیا ہوتا۔ (۲)

باب پنجم: علماء سے روابط، اعزازات، خطوطِ مشاہیر بنام قاضی صاحب،

قاضی صاحب نے ہر طبقۂ فکر کے علماء سے رابطہ رکھا، جن اہلِ علم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی ذہنی وفکری تشکیل ہوئی، اس کا ذکر انہوں نے اپنی خودنوشت میں کیا ہے، جو ان کی کشادہ دلی اور احسان شناسی کا زبردست ثبوت ہے، ان کے دل میں ہر طبقہ اور ہر مذہب وملت کے لوگوں کے لیے یکساں گنجائش تھی، تعصب، تنگ نظری تحزب اور فرقہ آرائی کی لعنتوں نے ان کے قلب کو داغدار نہیں کیا تھا، قاضی صاحب بڑے فراخ دل کشادہ قلب، اور وسیع المشرب تھے، ان کی مجلس بڑی معلوماتی ہوتی تھی۔

قاضی صاحب کی بے لوث علمی خدمت اور غیر معمولی جاں فشانی کی بناء پر ان کی عربی خدمات اور علمی وتحقیقی کاموں کے اعتراف کے طور پر سابق صدر جمہوریہ ہند گیانی ذیل سنگھ نے ۱۹۸۵ء میں انہیں توصیفی سند عطا کی اور محسن سندھ کا خطاب بھی دیا۔

انسانوں کی خودنوشت سوانح عمریاں ایک حد تک ان کی زندگی کے حالات کی عکاسی کرتی ہیں انسان یہ سمجھ کر اپنے حالات قلم بند کرتا ہے کہ ایک دن یہ مجموعہ لوگوں کے ہاتھ میں جائے گا، واقعہ یہ ہے کہ مکتوبات نے عظیم شخصیتوں کی زندگی کے بہت سے اہم گوشوں کی توضیح وتشریح میں

---

(۱) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، دائرہ ملیہ مبارکپور ۱۹۸۷ء، ص ۴۱

(۲) نفس المصدر، ص ۴۸

ہمیشہ ہی اہم کردار ادا کیا ہے، سوانح حیات کے باب میں اس کی خاص اہمیت ہے اسی بناء پر علماء کرام کے مجموعہ مکتوبات ہمیشہ سے شائع ہوتے رہے ہیں کہ ان کی شخصیت کی جھلکیاں قاری محسوس کرے اور استفادہ کرے، ہر اچھے خط میں، خط نگار کی شبیہ موجود ہوتی ہے، اس کا مزاج، انداز طبیعت طرز تخیل یہ سب بہت ہی اہم ہیں جو مکتوب نگار کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، قاضی صاحب کو معاصرین کس نگاہ سے دیکھتے تھے؟ قاضی صاحب کا رتبہ ان کے نزدیک کیا تھا اس کی کچھ جھلکیاں ان مکاتیب و مراسلات میں دیکھی جا سکتی ہیں جو معاصر علماء نے انہیں لکھے ہیں قاضی صاحب کی عظمت یہاں بھی جھلکتی ہے کہ انہوں نے خطوط کا بڑا ذخیرہ نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا، ملک کے بہت سے نامور علماء اور بڑے اصحابِ علم نے یہ خطوط لکھے ہیں، ہم اس مقالے میں ان معاصر علماء کے خطوط پیش کر رہے ہیں، ہم نے خطوط کی ترتیب تاریخی اعتبار سے کیا ہے۔

تمت بالخیر

CONTRIBUTION OF QAZI ATHAR MUBARAKPURI TO ARABIC STUDIES : A CRITICAL STUDY

THESIS SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

ARABIC

By

MOHD AMIRUL HASSAN

UNDER THE SUPERVISION OF

PROF. M. SALAHUDDIN UMARI

DEPARTMENT OF ARABIC
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH-202002 (INDIA)

2010

عربی ادبیات میں قاضی اطہر مبارکپوری کا حصہ

ایک تنقیدی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

عربی ادب

نگراں

پروفیسر محمد صلاح الدین عمری

مقالہ نگار

محمد امیر الحسن

شعبۂ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ یوپی

۲۰۱۰ء

PROF. M. SALAHUDDIN UMARI
Department of Arabic
A.M.U., Aligarh-202002
Phone No. 0571-2709062 (Off)
1300/1301 (Int)

أ. د. محمد صلاح الدين العمري
قسم اللغة العربية وآدابها
جامعة على كره الإسلامية، على كره
0571-2506870 (R), 09412819743 (Mob)

Dated: 06.3.2010

TO WHOM IT MAY CONCERN

This is to certify that **Mr. Mohd Amirul Hassan** Enrolment No. **CC-6336** has completed his Ph. D thesis entitled **"Contribution of Qazi Athar Mubarakpuri to Arabic Studies: A Critical Study"** under my supervision.

The work is quite satisfactory and is now recommended for the submission for the award of Ph.D. in Arabic.

(Prof. M. Salahuddin Umari)
Supervisor

فہرست مضامین

مقدمة

الحمد للّٰه رب العالمين و الصلاة و السلام علی

سيدالأ نبياء و المرسلين محمد بن عبداللّٰه الأمين وعلی اله و صحبه اجمعين

امابعد:

عربی زبان باوجود اپنی قدامت کے ایک متحرک اور توانائی سے بھرپور زبان ہے اس کی اہمیت کا راز اس کے غیر معمولی علمی خزانوں میں پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے بھی یہ زبان پوری دنیا کے مسلمانوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔عربی زبان میں قرآن کریم کے نزول نے اس زبان کی اہمیت اور عالمگیریت میں بہت نمایاں اضافہ کیا ہے،قرآن کریم عربی زبان میں مسلمانوں کا قابل افتخار سرمایہ ہے بلاغت وتاثیر کے لحاظ سے کسی قوم کوایسی کتاب کبھی نصیب نہیں ہوئی جس میں عبادت، سیادت، کائنات وخالق کائنات، دنیاوآخرت کے جملہ مسائل بحسن وخوبی بیان کئے گئے ہوں۔قرآن کریم کے بعداحادیث نبویؐ بھی عربی زبان وادب میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واخلاق اور حالات زندگی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشیدین کے حالات اور کارناموں کا تذکرہ بھی شامل ہے اوراس طرح قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عربی زبان و ادب پرکافی گہرااثر ڈالا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے موضوع پر یوں تو اکثر مصنفوں نے کتابیں لکھی ہیں جوکئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں،مگران میں قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کی کتاب ، رجال السند والھند الی القرن السابع ،کوجوشہرت حاصل ہے وہ شاید کسی اور کتاب کوحاصل نہیں ہے۔

میرے اس مقالہ کا موضوع ''عربی ادبیات میں قاضی اطہر مبارکپوری کا حصہ-ایک تنقیدی مطالعہ'' ہے۔

میں نے اس مقالہ کو عربی کے بجائے اردو زبان میں لکھنا زیادہ موزوں سمجھا تا کہ ہندوستان میں رہنے والے اور اردو زبان وادب سے تعلق رکھنے والے سبھی حضرات اس سے استفادہ کرسکیں، مقالہ آپ کے سامنے ہے، میں یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتا کہ میں نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے اور مقالہ ہر طرح سے مکمل اور غلطیوں سے پاک ہے، ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوسکتا تھا، موضوع سے متعلق معلومات ووسائل کا حتی المقدور احاطہ کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے، اس کے بعد بھی کچھ خامیاں اور غلطیاں ضرور رہ گئی ہوں گی، میری گذارش ہے کہ ان خامیوں اور غلطیوں سے خاکسار کو مطلع فرمائیں تا کہ میں اپنی اصلاح کرسکوں۔

اس مقالہ کی تیاری میں میری مدد کرنے والے (قاضی اطہر مبارکپوری صاحب کے) صاحبزادے، قاضی سلمان مبارکپوری ہیں جنہوں نے اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل میں اپنے قیمتی اوقات کو میرے لیے صرف کیا، قاضی صاحب کے خطوط، جرائد ورسائل اور کتابیں میرے لیے فراہم کیا، تبادلۂ خیال کا موقع دیا، وقتاً فوقتاً اہم اور مفید مشوروں سے بھی مجھے نوازتے رہے، میں ان کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا خوشگوار اور اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں۔

اور اس موقع پر میں اپنے مشفق ومربی استاذ محترم جناب ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری صاحب کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں، استاذ محترم کا جس قدر بھی شکریہ ادا کروں کم ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ میری ہمت افزائی کی بلکہ قدم قدم پر اپنے مفید علمی مشوروں سے بھی نوازا، نیز مقالہ کے موضوعات ومضامین کی ترتیب وتنظیم میں بھی میری مدد کی بلکہ میرے موضوع میں اپنی ذاتی دلچسپی کا بھی مظاہرہ کیا اور اپنی مخصوص عنایت سے میرے لیے ضروری کتب ورسائل مہیا کرواتے رہے۔ میرے مقالہ کا حرف حرف ان کی بے پناہ عنایتوں اور فیضان علمی کا ایک روشن باب ہے۔

میں نے اس مقالہ کی تیاری میں ہندوستان کی جن کتب خانوں سے استفادہ کیا ان میں سب سے پہلی لائبریری مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے۔ اوراس مقالہ کی تیاری میں شعبۂ عربی واسلامیات کی مشترکہ لائبریری کے منتظمین بالخصوص جناب خالد حمید صاحب، وکبیر احمد خاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنھوں نے مطالعۂ کتب کی سہولیات دیں اور مجھے متعلقہ مواد کی فراہمی میں ہر ممکن مدد دی، میں اپنے شعبۂ عربی کے تمام اساتذہ کا بھی بے حد ممنوں ہوں جن کی محبت اور خلوص نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔

اوراسی کے ساتھ میں اپنے تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں، جو مستقل مجھے لگن سے کام کرنے پر اُکساتے رہے اور میری دلجوئی میں لگے رہے، جنھوں نے ہر ممکن میری مدد کی اور ہمیشہ مدد کے لیے تیار رہتے ہیں، جو اس مقالہ کی تیاری کے دوران میری پریشانیوں میں میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

آخر میں میں اپنے والدین اور اپنے بھائی بہنوں اور تمام اہلِ خانہ کا بھی مشکور ہوں جنھوں نے ہمیشہ میرے لیے اپنی دعاؤں کے دروازے کھلے رکھے اور ساتھ ساتھ اپنے مشوروں سے بھی نوازتے رہے۔

اگر ان کا وجود اور تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ پاتا، اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرمائے تاکہ وہ میرے حق میں دعا گو رہیں اور ان کا سایہ میرے سر پر سلامت رہے، آمین۔

سب سے آخر میں شکریہ ادا کرنا چاہوں گا میں اپنی شریک حیات کا جس نے مجھے ہر قسم کی پریشانیوں اور افکار سے مجھے آزاد رکھ کر اور خود پریشانیاں اٹھا کر کام کرنے کا موقع فراہم کیا، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کو بھی صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان سب کی تمام جائز تمناؤں اور آرزؤں کو منزل مقصود تک پہنچادے۔ آمین۔

محمد امیر الحسن

علی گڑھ، ۲۰۱۰ء

باب اول

قصبہ مبارکپور کی علمی، وثقافتی خدمات

اس قصبہ کا نام پہلے قاسم آباد تھا۔ راجہ سید حامد شاہ مانک پوری (م ۹۶۵ھ) شیخ حسام الدین مانک پوری ۸۵۳ھ کے خلیفہ تھے اور شاہان شرقیہ کے دور میں جونپور آ کر رہنے لگے تھے۔ انہیں کی اولاد میں راجہ مبارک شاہ بن راجہ سید احمد شاہ بن راجہ سید نور شاہ بن راجہ سید حامد شاہ مانک پوری نے دسویں صدی ہجری میں شہنشاہ ہمایوں کے دور ۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ میں یہاں آ کر قاسم آباد کے کھنڈروں پر اپنے نام سے مبارک پور قصبہ کی نئی تعمیر کی، اپنے ہمراہ کڑا مانک پور سے ایک علمی، دینی اور روحانی خانوادہ کو لا کر مبارک پور میں بسایا جو قصبہ اور اطراف میں دینی امور کا معتمد و متولی بنا اور نیابت قضا کے منصب پر نسلاً بعد نسلٍ فائز رہا، اسی علمی خانوادہ کے ایک روشن چراغ قاضی اطہر مبارک پوری (م ۱۳۳۴ھ) تھے۔ اس خانوادہ کو راجہ مبارک شاہ اپنا جانشین مقرر کر کے کڑا مانک پور چلے گئے وہیں ۲/شوال ۹۶۵ھ میں فوت ہوئے (۱)۔

مبارک پور اعظم گڑھ کے ان معروف ومشہور قصبات میں شامل ہے جنہیں ماضی میں آفتاب علم اور شیرازِ ہند جونپور نے ضیاپاش کیا، یہ شہر اعظم گڑھ سے تقریباً ۱۲/کلومیٹر کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ قصبہ مبارک پور چشتی سلسلہ کے ایک بزرگ راجہ سید مبارک سے منسوب ہے۔ وہ روحانیت ومشیخیت میں بلند مقام رکھتے تھے، ان کا اصل وطن مانک پور (الہٰ آباد) تھا

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری، تذکرہ علماء مبارک پور وماہنامہ البلاغ بمبئی، شوال ۱۳۸۸ھ

وہاں سے وہ محمد آباد کے اطراف میں قاسم آباد منتقل ہوئے جو ایک غیر معروف و گمنام بستی تھی۔ راجہ سید مبارک نے اسے از سرنو آباد کیا جو انہی کے نام پر مبارک پور کہلائی، بعد میں ترقی کر کے قصبہ کی صورت اختیار کی۔ راجہ سید مبارک آخر عمر میں اپنے وطن (مانک پور) چلے گئے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔

بانی مبارک پور مغل بادشاہ ہمایوں و اکبر کے معاصرین میں سے تھے ان کے خاندان میں راجہ کا خطاب سب سے پہلے سید شہاب الدین کو ملا جو سلطان التمش کے عہد میں غزنین کے علاقہ سے دہلی فروکش ہوئے اور وہاں سے الہٰ آباد کے قریب کڑا مانک پور منتقل ہوئے۔

انہوں نے الہٰ آباد جونپور کے علاقہ میں ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اپنی صوفیانہ سرگرمیوں سے دیار پورب کو چشتی صوفیوں کا مرکز بنا دیا وہ عوام و خواص دونوں میں مقبول ہوئے اور سلاطین و امراء نے بھی ان کی قدر دانی کی۔ جاگیر کے عطیہ کے علاوہ حکومت وقت کی جانب سے انہیں راجہ کا خطاب بھی ملا جو بعد میں بھی اس خانوادہ کے لوگوں کے نام کا جزو بنا رہا، اس میں شبہہ نہیں کہ راجہ سید مبارک کے نام پر یہ قصبہ مبارک پور کے نام سے مشہور رہا، لیکن علم حدیث کی اشاعت اور سنتِ رسول کی ترویج میں اس قصبہ کے ممتاز علماء و فضلاء کی جو مثالی خدمات رہی ہیں ان کے پیش نظر اسے فیوض و برکات کا گہوارہ قرار دینا اور مبارک پور کو اسم با مسمی کہنا غلط نہ ہوگا۔

مبارک پور و اہلِ مبارک پور کے لیے یہ بہت بڑے شرف کی بات ہے کہ یہ قصبہ متعدد ایسے نامور علماء و فضلاء اور ممتاز محدثین و مؤرخین کا مولد و مسکن رہا ہے اسی قصبہ کے ممتاز عالم قاضی اطہر مبارک پوری مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ محدود وسائل کی؟ کمی کی وجہ سے مجھے مبارک پور سے باہر صرف ایک سال مدرسہ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کرنا نصیب ہوا، بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں مبارک پور کے مشہور اصحاب علم و فضل میں حافظ عبد الرحیم مبارک پوری (م ۱۹۱۰ء) عربی زبان و ادب اور معقولات میں خاص درک رکھتے تھے۔ نامور محدث عبد الرحمٰن مبارک پوری

انہی کے خلفِ ارشد تھے، انہی کے معاصرین میں حکیم عبدالسلام مبارک پوری (م۱۹۲۲ء) نے طبابت کے علاوہ تصنیف وتالیف میں گہری دلچسپی دکھائی سوانح وسیران کا خاص موضوع رہا ہے۔ اسی عہد کے ایک نامی گرامی عالم مولانا ظفر حسن عینی مبارک پوری (م۱۹۲۸ء) تھے۔

فن طب اور فارسی شاعری میں امتیاز پانے والوں میں حکیم الٰہی بخش (م ۱۹۳۸ء) بھی شامل تھے۔ وہ جدید ہندوستان میں مبارک پور کے سب سے قدیم مدرسہ احیاء العلوم کے اولین ناظم تھے اور تقریباً بیس برس تک اس منصب پر فائز رہے۔ ان کی طبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ضلع اعظم گڑھ کے طبی بورڈ کا صدر بھی منتخب کیا گیا تھا۔ احیاء العلوم کے ناظم کی حیثیت سے ان کے جانشین مولانا شکراللہ مبارک پوری (م۱۹۴۳ء) مقرر ہوئے۔

ان سب کے علاوہ مبارک پور اور اس کے ساکنین کے لیے یہ باعث فخر ہے کہ یہاں کے متعدد علماء کو ان کی گراں قدر دینی و علمی خدمات کی بدولت بین الاقوامی شہرت نصیب ہوئی۔ درحقیقت حدیث وسیرت اور تاریخ کے میدان میں اس قصبہ کے علماء کی جو عظیم خدمات رہی ہیں ان کی مثال جدید ہندوستان کے دیگر قصبات میں مشکل ہی سے ملے گی۔ مبارک پور کو ہندو بیرون ہند علمی دنیا میں نشان امتیاز دینے والوں میں عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبیداللہ رحمانی، قاضی اطہر مبارک پوری اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری (م۱۹۳۵ء) قرآن، حدیث وفقہ کے بہت بڑے ممتاز عالم تھے۔

مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری (م۱۹۹۴ء) بھی مبارک پور کے نامی گرامی عالم اور بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے، انہوں نے حدیث کی مشہور کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی جامع وعمدہ شرح لکھی جو ''مرعاۃ المفاتیح'' کے نام سے معروف ہوئی۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں قصبہ مبارک پور کی نیک نامی میں اضافہ کرنے والی دوسری معروف شخصیت مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی تھی قصبہ مبارک پور میں ایسے ارباب علم و

کمال گزرے ہیں ان میں ہر ایک خود تنہا انجمن اور درس و تدریس کا مرکز تھا تاہم اس قصبہ میں مستقل تعلیمی اداروں کی بھی کمی نہیں جامعہ احیاء العلوم، جامعہ اشرفیہ، دارالتعلیم اور باب العلم یہاں کے مشہور مدارس ہیں، ان میں سب سے قدیم احیاء العلوم ہے جو ۱۸۹۹ء میں قائم ہوا اور بیسویں صدی کی ابتدا میں دینی تعلیم کے اعلیٰ مرکز کی حیثیت سے ترقی کی منزل تک پہنچا، علوم اسلامیہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم پر یہاں خاص توجہ دی جاتی ہے، دارالافتاء اور دارالتصنیف و تالیف اس کے دو اہم شعبے ہیں۔

یہاں کی لائبریری علوم اسلامیہ پر مختلف زبانوں کی کتابوں کا بہترین مخزن ہے۔ اس مدرسہ کے لیے یہ باعث افتخار ہے کہ مبارک پور کے نامور علماء ومحدثین اسی چمنستانِ علم کے خوشہ چیں رہے ہیں، جامعہ اشرفیہ مشرقی یو پی میں بریلوی مکتبِ فکر کا سب سے مشہور تعلیمی ادارہ ہے اسے عربی یونیورسٹی بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، علوم اسلامیہ کی اشاعت میں اس مدرسہ کی خدمات بھی بہت اہم وقابل قدر ہیں۔

دینی تعلیم کے اہتمام کے علاوہ جامعہ اشرفیہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیٰحدہ جونیئر ہائی اسکول کا نظم بھی قائم ہے۔ یہاں طلبہ واساتذہ کے لیے المستشفیٰ کے نام سے اسپتال کی سہولتیں بھی مہیا ہیں۔ باب العلم انجمن حیدری کے زیر اہتمام ۱۹۲۹ء میں قائم ہوا، اور دارالتعلیم کے بانی صاحب تحفۃ الاحوذی ہیں جدید تعلیم کے لیے یہاں ایک انٹر کالج قائم ہے۔ کچھ عرصہ قبل ملت گرلس ہائی اسکول کا قیام عمل میں آیا ہے جو لڑکیوں کی تعلیم میں اہل مبارک پور کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا غماز ہے۔ عزیز المساجد، سید راجہ مبارک مسجد اور جامع مسجد یہاں کی مشہور مساجد ہیں جو قصبہ کی ایمانی حرارت کا واضح ثبوت پیش کررہی ہیں۔

علم وفن کے علاوہ پارچہ بافی کی صنعت کی وجہ سے بھی مبارک پور کو ہندو بیرون ہند کافی شہرت ملی، یہاں ہینڈلوم و پاورلوم کے ذریعہ مختلف قسم کے سوتی وریشمی کپڑے تیار کئے جاتے ہیں، مصنوعات میں خاص طور سے ریشمی ساڑیاں بہت مشہور ہیں، بنارسی ساڑیاں جو ہندوستان کے علاوہ دیگر بہت سے مما لک میں پسندیدہ ومقبول ہیں ان کا زیادہ تر حصہ مبارک پور ہی میں تیار ہوتا ہے، بنارس ہی کی توسط سے یہاں کے تیا کردہ ملبوسات دوسرے ملکوں میں برامد کیے جاتے ہیں، مبارک پور گاجر کے حلوہ کے لیے بھی بہت مشہور ہے جو دودھ کی طرح سفید اور لذت سے بھر پور ہوتا ہے(۱)۔

اسے لوگ اپنے دوستوں وعزیزوں کو تحفہ کے طور پر دینا بہت پسند کرتے ہیں (انتظامی یونٹ کے اعتبار سے قصبہ مبارک پور کو محض ایک نگر پالیکا کی حیثیت حاصل ہے۔)

یہ سڑک کے راستہ یوپی کے مختلف حصوں وکلکتہ اور شاہ گنج، لکھنؤ و دہلی سے مرتبط ہے۔ان سب کے علاوہ اصل چیز جس کی وجہ سے قصبہ مبارک پور کا تعلق ہندوستان کے مختلف حصوں اور بیرونی مما لک سے قائم ہے وہ اس کا فیض ہے بالخصوص علم حدیث وسیرت نبوی کے میدان میں یہاں کے اہل علم واصحاب اہل قلم کی جو قابل قدر خدمات ہیں ان کے بار منت سے اہل ہند وعالم اسلام کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے ان کی وجہ سے مبارک پور کو جو شرف وفضل حاصل ہے اس کا بدل کوئی دوسری چیز نہیں بن سکتی۔

قاضی صاحب کی تصانیف کو مسلمانوں کے ہر طبقے میں جو حسن قبول حاصل ہوا وہ کسی بھی مصنف کے لیے قابلِ صد افتخار ہوسکتا ہے۔اس میں قاضی صاحب کی علمی وفنی تحقیق کے علاوہ ان کے اخلاصِ دینی اور جذبۂ اسلامی کی برکتیں بھی شاملِ حال رہی ہیں۔جو انہیں ربِّ کریم کی بارگاہ سے حاصل ہوئی تھیں۔انہوں نے مقاماتِ مقدسہ خصوصاً آبِ زمزم پیتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا

---

(۱) شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج میگزین، اعظم گڑھ ۹۸-۱۹۹۷ (ص ۳۲)

کی تھی کہ انہیں علومِ دینیہ کے کسی اہم موضوع میں اِدراک وبصیرت کی دولت اور دانشوری کی سعادت نصیب ہو۔ اللہ رب العزت نے اس دعائے دلِ دردمند کو شرف قبولیت سے نواز دیا تھا۔

قاضی صاحب نے اس سلسلے میں تحریر فرمایا ہے: اس وقت تحدیثِ نعمت کے طور پر اس حقیقت کے ظاہر کردینے میں مجھے بڑی مسرت اور لذت محسوس ہورہی ہے کہ میں نے ۱۳۷۵ھ میں پہلے حج وزیارت کے موقع پر مقدس مقامات اور بابرکت لمحات میں خاص طور سے آبِ زمزم پیتے وقت یہ دعا کی تھی کہ مجھے اسلامی علوم کے کسی خاص اور اہم شعبہ کی خدمت کی توفیق عطا ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے اسلامیِ ہند کی تاریخ مرتب کرنے کی توفیق سے نوازا ساتھ ہی کئی نادر موضوعات پر لکھنے کی سعادت بخشی (۱) ۔

---

(۱) مقدمہ خلافت عباسیہ اور ہندوستان - اپریل ۱۹۸۶ء (ص: ۳۲) ناشر تنظیم فکرونظر سندھ پاکستان

باب دوم

قاضی اطہر مبارکپوری کی ولادت، حیات وآثار

قصبہ مبارکپور کے ممتاز عالم قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۴؍رجب المرجب ۱۳۳۴ھ، بمطابق ۷؍مئی ۱۹۱۶ء کو مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی (۱)۔

آپ اپنے نام سے زیادہ تخلص ''اطہر'' سے، اور خاندان میں چلے آرہے عہدۂ قضا کی وجہ سے ''قاضی'' سے اور اپنی جائے ولادت کی طرف منسوب ہوکر ''مبارکپوری'' سے مشہور ومعروف ہیں، حالانکہ آپ کا اصلی نام عبدالحفیظ ہے (۲)۔

آباء واجداد:

آپ کے والد ماجد کا نام الحاج شیخ محمد حسن ہے، آپ کی والدہ محترمہ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا، آپ کا نانیہال ''ہمہ خانہ آفتاب است'' کا صحیح مصداق تھا اسی لیے قاضی صاحب کی تعلیم وتربیت میں نانیہال کا بڑا دخل رہا (۳)۔ قاضی صاحب کی والدہ مرحومہ حمیدہ بنت مولانا حکیم احمد حسین رسول پوری متوفیہ ۲۲؍ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ بڑی نیک اور عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں، اپنے

---

(۱) Comparetive Tables of Muhamdan and Christion Dates by Sir Wolseley Haig London, 1932) کے مطابق ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۵ء آتا ہے، لیکن قاضی صاحب کی سال ولادت تمام کتابوں میں ۱۹۱۶ء لکھا ہوا ہے۔

(۲) قاضی اطہر مبارکپوری، مسلمان (ص ۸)

(۳) قاضی اطہر مبارکپوری، مکتوباتِ امام احمد بن حنبل (ص ۴)

گھر پر محلے کے بچوں کو قرآن مجید اور اردو کی تعلیم دیا کرتی تھیں، فرصتِ کار کے لمحات میں اپنے اندر دینی و مذہبی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب و تحریص بھی رکھتی تھیں، اسی لیے انبیاء و صلحاء کے حالات و واقعات انہیں زبانی یاد تھے، جو گاہے گاہے قاضی صاحب کو بھی سناتی رہتی تھیں، قاضی صاحب ان کی آغوش محبت کو اپنی پہلی درس گاہ کہتے ہیں (۱)۔ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارا خاندان بہت بڑا تھا، والد مرحوم چار بھائی تھے، عبداللہ، اسد اللہ، محمد حسین اور محمد حسن، والد مرحوم ان میں سب سے چھوٹے تھے اور میں ان کی پہلی اولاد تھا، اس لیے خاندان کے تمام چھوٹے بڑے مجھ سے زیادہ محبت کرتے تھے (۲)۔ میں خاندان اور محلّہ کے لڑکوں کے ساتھ ہر قسم کے کھیل کود، سیر و تفریح اور طفلی شرارتوں میں شریک رہ کر ان کو غلط حرکتوں سے منع کرتا تھا، اس لیے وہ سب مجھے (مولوی) کہتے تھے حتیٰ کہ اسی زمانہ میں محلّہ کے دوسرے لڑکے اور بڑے لوگ بھی مجھ کو اسی خطاب سے یاد کرنے لگے، کھیل کود کے سامان بنانے میں زیادہ دلچسپی رہتی تھی، چڑیے اور مچھلی کے شکار سے خاص شغف تھا اور خاندانی بھائیوں کے ساتھ......قصبہ کے باہر باغوں، کھیتوں، دیہاتوں اور ندی نالوں کا چکر کاٹتا تھا، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم تک ان کی یہی حالت رہی اور کھیل کود میں زیادہ وقت گزرنے لگا، خاندانی ماحول غیر علمی تھا، چار بھائیوں میں دونوں چھوٹے بھائی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور دینی زندگی بسر کرتے تھے، قاضی صاحب بچپن میں بہت سیدھے سادھے تھے، آشوب چشم کی وجہ سے نگاہ کمزور ہوگئی تھی۔

ان کی والدہ مرحومہ کو خاص طور سے ان کے بارے میں بہت فکر رہا کرتی تھی کہ یہ بڑا ہو کر متاہل زندگی کیسے بسر کرے گا، اس کا ذکر دوسروں سے بھی کیا کرتی تھیں، ان کی نانی مرحومہ رحیمہ بنت حافظ شاہ نظام الدین سریانویؒ متوفیہ ۲۶/رمضان ۱۳۷۸ھ بڑی نیک اور عابدہ و زاہدہ تھیں، قاضی صاحب نے ان کا دودھ پیا ہے، وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں، ان کا حافظہ بچپن

۱- قاضی اطہر مبارکپوری، مئے طہور (ص ۲۰)

۲- ماہ نامہ ضیاء الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر (ص ۸)

میں بہت قوی تھا چھ ماہ اور سال بھر کی عمر کے کئی واقعات ملتے ہیں، ان کی والدہ مرحومہ انہیں گود میں لے کر صبح کو قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتی تھیں اور وہ سنتے تھے، نیز وہ محلّہ کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں، اس وجہ سے بچپن سے ہی ان کو دینی اور مذہبی معلومات سے دلچسپی ہوگئی تھی۔

اور انبیاء علیہم السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بزرگان دین رحمہم اللہ کے حالات سے فی الجملہ واقفیت بھی ہوگئی تھی، اور والدہ مرحومہ کی کتابیں الٹتے پلٹتے تھے، اس طرح ان کی گود ان کا پہلا مدرسہ تھا، نو دس سال کی عمر سے نماز کی پابندی ہوگئی تھی۔

الغرض ان کی والدہ مرحومہ اور نانی مرحومہ دونوں کی پرورش اور تربیت میں ان کا بچپن گزرا ہے، جن کا ذہن ومزاج اور ماحول سراسر دینی علمی، خداپرستی اور خداترسی کا تھا، جب کہ خاندان اور محلّہ کا ماحول اس سے جداگانہ تھا قاضی صاحب کی ولادت انہیں متضاد حالت میں ہوئی اور انہیں سے ان کا بچپن متاثر ہوا۔

باقاعدہ تعلیم کی ابتداء:

ویسے تو وہ گھر پر ہی کچھ نہ کچھ پڑھنے لگے تھے، مگر باقاعدہ تعلیم کے لیے انہیں محلّہ کے گھریلو مکتب میں بھی بھیجا گیا، اس زمانہ میں عام طور سے قاعدہ بغدادی، قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم اور تربیت خانگی مکاتب میں ہوا کرتی تھی، گھر پر والدہ مرحومہ اور والد مرحوم سے پڑھا کرتے تھے، اس کے بعد انہیں مدرسہ احیاء العلوم میں داخل کیا گیا، اس وقت وہ تیسرا پارہ پڑھ رہے تھے، حافظ علی حسن صاحب مرحوم سے قرآن شریف پڑھ کر ختم کیا مدرسہ جانے سے پہلے ہی انہیں اردو پڑھنے کی شُد بُد پیدا ہوگئی تھی، قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اردو کی تعلیم منشی عبدالواحید صاحب لاہرپوری مرحوم سے حاصل کی جنہوں نے مبارک پور میں آباد ہو کر پوری زندگی مدرسہ احیاء العلوم میں مدرسی کی، ریاضی کی تعلیم منشی اخلاق احمد صاحب سے مدرسہ میں حاصل کی (۱)۔

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری نمبر- ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخو پور ضلع اعظم گڑھ (ص ۹)

اس زمانہ میں انہیں دوسرے کھیلوں کے ساتھ کبوتر بازی کا شوق ہوا تو کئی سال تک یہ مشغلہ جاری رہا جس کی وجہ سے مدرسہ میں ناغہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ ان کے والد مرحوم نے خوب مارا، اور گھسیٹتے ہوئے مدرسہ لے گئے، اس کے بعد قاضی صاحب بالکل سیدھے ہوگئے اور باقاعدہ مدرسہ جانے لگے، ۱۳۴۶ھ میں ان کے نانا مرحوم کی کتاب (سبیل الآخرت) پہلی بار چھپ کر آئی جس کے پڑھنے اور سننے سے والدہ مرحومہ کی طرح ان پر بھی موت قبر اور قیامت کا خوف طاری ہوگیا، فارسی کی تعلیم مولانا نعمت اللہ صاحب مبارک پوریؒ سے حاصل کی اردو عربی کی خوش نویسی بھی ان ہی سے سیکھی، الغرض تقریباً پندرہ سال کی عمر تک کھیل کود کر اردو فارسی کی تعلیم مکمل کی۔

اس کے بعد عربی تعلیم کا دور آیا، تقریباً دس سال قاضی صاحب کے عربی تعلیم کا زمانہ ہے جس وقت عربی شروع کی اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی، جو عنفوان شباب کا زمانہ ہوتا ہے اور اس میں بچپن کی تمام بالقوۃ صلاحتیں بالفعل ہوجاتی ہیں، اگر اس زمانہ میں ماحول سازگار ہو تو انسان سب کچھ کرسکتا ہے ورنہ محرومی ہوتی ہے۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی استعداد وصلاحیت احوال وظروف کی ناسازگاری کے باوجود اپنا کام کرتی ہے، وہ اپنے آپ کو اسی طبقہ کے خوش نصیبوں میں شمار کرتے تھے، اردو فارسی کی تعلیم تک شہنشاہیت کا دور تھا ۱۳۵۲ھ میں جب وہ کافیہ وغیرہ پڑھ رہے تھے والدہ مرحومہ کا انتقال ہوگیا جس کے صدمہ سے ان کی اٹھتی جوانی خاک میں ملنے لگی، سالوں غم واندوہ کی وادی میں بھٹکتے رہے۔

والد مرحوم بہ سلسلہ معاش ومعیشت باہر آنے جانے لگے، پانچ بھائی اور ایک بہن میں وہ سب سے بڑے تھے، تعلیم کے لیے باہر نکلنا مشکل تھا، نیز بعض دوسرے خانگی معاملات پریشان کن تھے، حتیٰ کہ تعلیم بند کردینے کی بات ہونے لگی، مگر انہوں نے گھر کے کام کاج کے ساتھ بڑے صبر واستقامت اور شوق ومحنت سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور مدرسہ احیاء العلوم میں پوری تعلیم حاصل

کی، صرف آخری سال دورۂ حدیث کے لیے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد گئے۔(۱)

طلب علم کا زمانہ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۹ھ تک ہے مولانا شکر اللہ صاحب سے مرقاۃ ہدیہ سعیدیہ، ملاحسن سے، حمداللہ، قاضی مبارک کافیہ، شرح جامی، وغیرہ پڑھیں بعض کتب منطق مولانا بشیر احمد مبارک پوری سے، مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوری سے تفسیر جلالین، مولانا محمد یحییٰ صاحب رسول پوری سے ہیئت اور عروض وقوافی، اور مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری سے اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں، ۱۳۵۹ھ میں جامعہ قاسمیہ مرادآباد سے فارغ التحصیل ہوئے، یہاں مولانا فخرالدین صاحب سے بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، مولانا اسماعیل صاحب سنبھلی سے مسلم شریف اور مولانا محمد میاں صاحب سے ترمذی، دیوان حماسہ ومقامات اور زمخشری کا کچھ حصہ پڑھا۔ طالب علمی کے دور ۱۳۵۳ھ ہی سے آپ کے اشعار اور مضامین ماہ نامہ، الفرقان، رسالہ، قائد، مرادآباد، سہ روزہ، زمزم، لاہور، ہفتہ وار، مسلمان، لاہور ہفتہ وار العدل، گوجرانوالا، الجمعیۃ، دہلی وغیرہ میں شائع ہونے لگے۔

پھر معیاری رسائل، معارف، برُہان، اور دارالعلوم، میں طبع ہونے لگے، فراغت کے بعد ۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۴ھ پانچ برس احیاء العلوم مبارک پور میں مدرسی کی، پھر ڈیڑھ ماہ مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر سے وابستہ ہوکر ردِ شعیت وقادیانت پر مضامین لکھے، پھر ۱۳؍جنوری ۱۹۴۵ء سے جون ۱۹۴۷ء تک زمزم کمپنی لاہور سے منسلک رہے، وہاں نوسو صفحات میں منتخب التفاسیر مرتب کی اور دوسری کتابیں بھی لکھی، مگر افسوس کہ وہ سب تقسیم ملک کی نذر ہوگئیں، تقسیم ہند کے بعد ہفتہ وار، انصار، بہرائچ کے مدیر رہے، یہ اخبار حکومت کی نظر عتاب سے آٹھ ماہ میں بند ہوگیا، شوال ۱۳۶۶ھ سے صفر ۱۳۶۷ھ تک پھر احیاء العلوم میں عارضی مدرس رہے، شوال ۱۳۶۷ھ تا شعبان ۱۳۶۸ھ ایک برس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) میں تدریسی خدمت انجام دی، نومبر ۱۹۴۹ء

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری نمبر- ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخو پور ضلع اعظم گڑھ (ص ۱۱)

میں بمبئی گئے اور دفتر جمعیۃ علماء بمبئی میں افتاء وغیرہ کا کام کیا، جون ۱۹۵۰ء میں وہاں روز نامہ، جمہوریت، جاری ہوا تو اس کے نائب مدیر رہے، فروری ۱۹۵۱ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک چالیس برس سے زائد مدت تک روز نامہ انقلاب بمبئی میں علمی، تاریخی، دینی وسیاسی مضامین لکھتے رہے، اور یہ روز نامہ، انقلاب، کے ذمہ داروں کی قدردانی کی بات ہے کہ آج تک اس کالم کو موصوف کی یاد میں ''بیادگار قاضی اطہر مبارک پوری، جاری رکھا ہوا ہے، ۱۹۵۴ء سے ماہنامہ 'البلاغ' بمبئی سے جاری ہوا، وہ آپ کی ادارت اور ذمہ داری میں ۲۵ ربرس سے زائد مدت تک نکلتا رہا (۱)۔

انجمن اسلامی ہائی اسکول بمبئی میں نومبر ۱۹۶۰ء سے دس برس تک دینی تعلیم دی، دارالعلوم امدادیہ بمبئی میں دومرتبہ مدرسی کی، تیس برس سے زائد تک بمبئی میں رہ کر صحافت وتدریس وتالیف میں مصروف رہے، بھیونڈی (بمبئی سے قریب) میں مفتاح العلوم، قائم کیا جو عظیم دینی ادارہ بن گیا ہے۔

۱۹۷۶ء میں انصار گرلس ہائی اسکول مبارک پور جاری کرایا، آپ کی کتابوں کو اللہ نے وہ قبولیت بخشی کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے ڈاکٹر عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے ۱۹۷۹ء میں مصر سے شائع کیا، ریاض سے بھی آپ کی کتاب شائع ہوئی (۲)۔

قاضی صاحب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ بمبئی جیسے معاش وتجارت کے شہر میں رہنے کے باوجود ان کا دامن استغناء آلود نہیں ہوا اور رؤسا کے آستانوں کی گرد سے ان کی پیشانی محفوظ رہی، اس شہر نگاراں میں بڑے بڑے دنیا بیزاروں کے زُہد واتقاء بھی دولت کی میزان میں تولے جاتے ہیں اور ان کی عظمت تقدس بھی نذرانے ہی کی قدر سے ناپے جاتے ہیں انہوں نے اپنے طریقے تجارت پیشہ طبقے کے دل ودماغ میں دینی علوم کے حصول اور ان میں اسلاف کی گُم شُدہ پونجی کو پانے کی جوت جگادی اس لیے بڑے بڑے تجاران سے شرف تلمذ حاصل کرنے میں سعادت محسوس کرنے لگے۔

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، اسلامی زندگی ادارہ فیضان معرفت بلساڑ گجرات ۲۰۰۴ء (ص ۶)

(۲) قاضی اطہر مبارکپوری، مکتوباتِ امام احمد بن حنبل (ص ۶)

اور رونقِ بازار جن کی نگاہوں کے اشارے پر رقص کرتی تھی ان کے بھی لڑکے ان سے علم وحکمت کا درس لے کر ان کے احترام میں پوری عمر اپنے سر کو جھکاتے رہے، معاش وتجارت اور دین و دانش کے درمیان بامعنی رشتوں کی دریافت اور ان کی بار آوری قاضی صاحب کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

انہوں نے تجارت کی میزان کے ایک پلڑے میں علم رکھ کر تاجروں کو یہ دکھادیا کہ مال کے مقابلے میں علم کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا کرتا ہے اور بڑائی قد میں نہیں قدر میں ہوتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں ۔۔۔ تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ان دونوں شعر کا مصداق وعملی نمونہ قاضی صاحب کی تنہا ایک ذات تھی (۱)۔

قاضی اطہر مبارکپوری کی پہلی شادی مولوی نعمت اللہ مبارکپوری صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، جو قاضی صاحب کے فارسی کے استاذ بھی تھے۔ کسی وجہ سے ایک دوبار ہی کی رخصتی کے بعد علیحدگی ہوگئی (۲) پھر دوسری شادی محترمہ سائرہ بنت محمد یعقوب صاحب ساکن ولید پور ضلع مئو کے ساتھ ہوئی۔ سائرہ کی پرورش وپرداخت ان کے نانا حافظ محمد زاہد صاحب ساکن محمد آباد گوہنہ ضلع مئو کے زیر تربیت ہوئی تھی قاضی صاحب کی حرم محترم سائرہ بنت محمد یعقوب پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کے ساتھ کثرتِ تلاوت سے خصوصی شغف رکھتی تھیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری دنیاوی نعمتوں کے اعتبار سے بھی خوش نصیب تھے قاضی صاحب کو کل آٹھ اولادیں ہوئیں۔ جن میں دو بچے شریف انور اور انور جمال صغرسنی ہی میں فوت ہوگئے۔ قاضی صاحب نے علم ودینداری کی جو روایات آگے بڑھائیں، ان کی اولاد میں بھی تعلیم وتعلم اور دین ودیانت کی وہ وراثت پروان چڑھی اور سب کے سب لڑکے اور لڑکیاں تعلیم یافتہ اور صاحب

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، مئے طہور (ص ۵۴)

(۲) نفس المصدر (ص ۳۵)

صلاحیت ہوئے، قاضی صاحب کی تمام اولاد انہیں محترمہ کے بطن سے ہیں۔

قاضی صاحب کی والدۂ محترمہ کی طرح انہوں نے بھی اپنے گھر پر بچوں کے لیے مکتب کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اور وہ محلّہ کے بچوں کو نہایت انشراحِ قلب کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم اور دینی تربیت دیتی تھیں، انہیں دو بار حج بیت اللہ شریف کا شرف حاصل ہوا تھا(۱)۔

قاضی صاحب کی تعلیمی زندگی کے بعد تدریسی زندگی جب شروع ہوئی تو وہ کم تنخواہی کے سبب اسبابِ زندگی کی فراہمی میں پریشاں خاطری محسوس کرتے تھے اور ان کا بچپن بھی عسرت وتنگ دستی کا شکار تھا، ان سب عواملِ حیات نے ان کو طبعی اور مزاجی طور پر خود کفیل، سادگی پسند، قناعت پیشہ، کم خرچ اور اسراف بیزار بنادیا تھا، مگر وہ عملاً بیزار نہیں ہوئے تھے کہ اس سرگرمیوں اور دنیا کی عائد کردہ ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

ان کی عملی زندگی کسل وتساہل کی پرچھائیوں سے گریزاں رہی اور کارِ حیات کی تکمیل میں انہوں نے اپنی مجاہدانہ لگن کا مظاہرہ کیا، قاضی صاحب نے جوانی میں سفید گزی گاڑھے کے کُرتا پائجامہ کو استعمال کیا، شیروانی بہت کم پہنتے تھے، کُرتے کے اوپر شیروانی کے بجائے صدری کو پسند کرتے تھے، اچھے کپڑے کی کشتی نما ٹوپی زیب سر ہوتی تھی، جوتا اس زمانے کے لحاظ سے قیمتی پہنتے تھے، عطر کی شیشی ہمیشہ جیب میں رکھتے تھے، کپڑے خود دھوتے(۲)۔

یہ وضع قطع ان کی آخری عمر تک باقی رہی، البتہ جب وہ معاشی طور سے آسودہ حال ہوگئے تو گھر سے جب نکلتے عموماً شیروانی زیب تن ہوتی، وہ جوتا ہمیشہ عُمدہ قسم کا استعمال کرنے کے عادی تھے اور اس کی صفائی اور پالش کے سلسلے میں بہت حساس واقع ہوئے تھے، گھر میں چپل کا استعمال کرتے تھے مگر باہر اس کو سخت ناپسند کرتے، قاضی صاحب کے خمیر میں صفائی ستھرائی شامل تھی، وہ بال ناخن تراشنے اور حجامت بنوانے میں بہت زود حسی کا اظہار کرتے تھے ان کی ریشِ مبارک اور

---

(۱) نفس المصدر (ص ۳۵)

(۲) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک - بار اول ۱۹۸۷ء (ص ۴۵)

مونچھیں اعتدالی انداز لیے ان کے چہرے کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھیں، بینائی کی کمزوری کی وجہ سے موٹا چشمہ لگاتے تھے، ان کے کپڑے اوسط قیمت صاف ستھرے اور بے گرد ہوتے تھے، گھر میں تہبند ان کی ستر پوشی کرتا، باہر پائجامہ پہنتے۔

قاضی صاحب کو جو وقت پر میسر ہو جاتا تھا، اسی کو نعمتِ خداوندی سمجھ کر کھاتے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے انہیں کھانوں کے تکلفات سے کبھی رغبت نہیں رہی احیاء العلوم کی مدرسی کا زمانہ ان کے لیے بڑا صبر آزما تھا، جو تنخواہ ملتی تھی اسی میں گزر بسر کرتے تھے، اس دور میں ایک ایسا بھی وقت آیا کہ آٹا گھول کر اور نمک کے ساتھ پکا کر وقت کاٹ لیا، بسا اوقات سالن کی جگہ پیاز لیموں، مرچ اور نمک کا کچومر استعمال کیا، ایک آنے کا گڑ (بھیلی) صبح کو لاتے اور چائے بن جاتی تھی، اور رات کی بچی کھچی روٹی ناشتے میں کام آتی، بعض اوقات اس کا بھی انتظام نہیں ہوتا تھا (۱)۔ اس تنگ دستی نے قاضی صاحب میں سادگی اور کفایت شعاری کی خصلتیں پیدا کر دی تھیں، ان کے لڑکے قاضی ظفر مسعود صاحب کا بیان ہے کہ کھانا نہایت سادہ کھاتے، کبھی دو سالن ایک ساتھ نہیں کھاتے تھے، اگر گوشت روٹی کھایا، تو چاول پر دال استعمال کرتے تھے اگر کباب رہتا تو ایک لے لیتے تھے، بقیہ اور کوئی سالن یا مرکبات بالکل نہیں لیتے تھے اور جب ہم لوگ کہتے کہ ابا یہ بھی ہے تو فوراً کہتے کہ ہاں میں دیکھ رہا ہوں ایک مرتبہ میں نے کہا کہ ابا دسترخوان پر اور بھی چیزیں ہوتی ہیں آپ بالکل نہیں کھاتے جس سے ہم لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور اس کھانے میں تکلف بھی، کہنے لگے تم سب اس معاملہ میں میرا بالکل خیال نہ کرو، ہمارے محدثین و اسلاف کیسی کیسی تکلیفیں اٹھا کر روکھی سوکھی کھا کر دنیا سے گزر گئے، ہم لوگ ہر دم پیٹ ہی بھرنے کے چکر میں رہتے ہیں (۲)۔ علمی وجاہت کے دوش بدوش قاضی صاحب میں انسانی واخلاقی کمالات بھی بدرجۂ اتم موجود تھے، وہ کھانے پینے

---

(۱) کاروان حیات مشمولہ قاضی اطہر مبارکپوری نمبر- ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ (ص ۴۵-۴۶)

(۲) ماہنامہ ضیاء الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر (ص ۲۶۸)

کے معاملے میں سادگی پسند، مگر نظیف الطبع تھے، انہوں نے (کاروان حیات) میں اپنے سفر امرتسر کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، جس سے ان کی طبعی نفاست پسندی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ بھوک کی شدت تھی راستہ بھول جانے کا ڈر اور زبان نہ جاننے کی وجہ سے اجنبی تھا قریب ہی ایک دوکان دیکھی، اندازہ ہوا کہ کھانا ملتا ہوگا، اوپر گیا، انتہائی گندا اور عام ہوٹل تھا، چٹائی کی درازوں میں کالی کالی مٹی جمی ہوئی تھی، اس پر بیٹھنا اور کھانا بڑی بدذوقی کا مظاہرہ تھا مگر اجنبیت اور بھوک نے اس کو گوارا کیا(۱)۔ قاضی صاحب بڑے محنتی، جفاکش اور صابر انسان تھے، ان کے دوست صدیق احمد خلد آبادی نے قاضی ظفر مسعود صاحب کو جو تعزیتی خط لکھا ہے، اس سے قاضی صاحب کی عادتوں اور خصلتوں پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اس خط کی تحریر کے مطابق مولانا جنجیکر اسٹریٹ بمبئی کے روم میں ۶۰-۱۹۵۶ء کے درمیان جب قلم کی ریاضت میں محو ہوجاتے، تو شدید گرمی اور اُمس سے ان کی بنیائن تر ہوجاتی، مگر کہنے پر بھی پنکھا لگوانے پر راضی نہیں ہوتے، برسوں کرافورڈ مارکیٹ سے مدن پورہ تقریباً تین میل جاتے اور آتے، مگر سرد و گرم کے شدائد کے باوجود اہلِ تعلق کی ٹیکسی میں اصرار کرنے پر بھی نہیں بیٹھتے اور کہتے کہ آج تو بیٹھ جاؤں اور کل کیا ہوگا، یہ مہینوں دال پر گزر بسر کرتے۔

ان کے دوست صدیق احمد اور مولانا عبیدالرحمٰن قمر مبارک پوری کا کھانا معلم کے دفتر میں کام کرنے کی وجہ سے اچھا ہوتا، لیکن ہزار گزارش پر بھی دسترخوان پر نہیں بیٹھتے، البتہ دعوت میں پندرہ منٹ پہلے پہونچ جاتے تھے، انہوں نے اپنی احتیاط کی وجہ ایک یہ بتائی کہ مبارک پور میں میرے بچے تو ایسا نہیں کھاتے ہوں گے اور میں یہاں کھایا کروں۔ یقیناً بہت کم باپ کے سینے میں اتنا شفقت بھرا دل ہوگا، وہ بدعتوں سے سخت متنفر تھے ایک بار امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کے لوازمات کے سلسلے میں ان کے عمل کا ایک ایسا اثر کن پہلو سامنے آیا کہ صدیق احمد کی زندگی کی

---

(۱) نفس المصدر (ص ۴۹)

سمت بدل گئی۔ قاضی صاحب کو دوسرے سے کام لینا پسند نہیں تھا، وہ اپنی کتابیں مقالات وخطوط سب کچھ خود لکھتے تھے، اس میں کبھی کسی اور کی مدد نہیں لی، وہ دوستوں میں کسی کے اندر اخلاقی کمزوری دیکھتے تو اس کا زبردست نوٹس لیتے، غلطیوں کے ارتکاب پر معافی چاہنے والے کی غلطیاں بار بار معاف کرتے تھے، دوستوں کو قدم قدم پر ان کی اصلاح وتربیت سے ہدایتیں نصیب ہوا کرتی تھیں، قاضی صاحب کی زندگی کا رکھ رکھاؤ اہتمام واحتشام سے بے نیاز تھا اور بڑی سے بڑی مجلس میں ان کو اپنی سادگی پر کبھی شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا تھا وہ اس دور کی انسانی بھیڑ میں ایک نمایاں مردِ درویش رجلِ صالح تھے (۱)۔

قاضی صاحب بمبئی میں صحافت کے ذریعہ کسبِ معاش کرتے تھے، مگر انہوں نے اپنے مزاج اور ذہنی ماحول کو معاش پر کبھی قربان نہیں کیا، وہ کسی نہ کسی بہانے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے، کبھی کبھار وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں بمبئی سے دولت کمانا چاہوں تو میرے چار لڑکے ہیں، چاروں کے لیے الگ الگ بنگلہ اور کار کا ایک سال کے اندر انتظام کرسکتا ہوں، مگر میں ایسا نہیں کروں گا، مجھ پر جو شرعی ذمہ داری ہے تعلیم کی، شادی کی اور روزگار کے ساتھ لگادینے کی وہ انشاء اللہ سب پوری کروں گا، وہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کی تاکید خطوط میں اہتمام کے ساتھ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ گھر میں نہ ہو تو بازار سے لاکر دے دیا کرو، وہ کچھ سمجھ کر تمہارے پاس آیا ہے، وہ اپنے بچوں کو سمجھاتے کہ بمبئی میں بننے کے مواقع کم اور بگڑنے کے راستے زیادہ ہیں وہ اپنے بچوں کو کبھی احساسِ محرومی کا شکار نہیں ہونے دیتے تھے، ہمیشہ ضرورت کی چیزیں پہلی فرصت میں بھیجا کرتے تھے، ان کے لڑکے قاضی ظفر مسعود صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ والد صاحب کے ساتھ شبلی منزل گیا، تو شاہ معین الدین ندوی صاحب کہنے لگے کہ قاضی صاحب آپ ایک صدی پہلے کے لوگوں میں سے ہیں، لیکن ایک صدی بعد میں دنیا میں آئے ہیں ایک دفعہ

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری مئے طہور (ص ۵۷)

قاضی ظفر مسعود صاحب سے حاجی عبدالغنی اطلس والا کہنے لگا کہ قاضی صاحب کا بمبئی میں یہ حال تھا کہ وہ آگے آگے اور بمبئی ان کے پیچھے پیچھے چلتی تھی، مگر وہ بمبئی کو اپنے پیروں سے جھٹک جھٹک کر چلتے تھے، ان سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ قاضی صاحب اپنی عملی زندگی میں صفائی ستھرائی اور پاکیزگی کو پسند کرتے تھے، انہوں نے پوری عمر کتاب ومطالعہ اور قرطاس وقلم کی رفاقت کا حق ادا کیا، ابتدائی دور میں شوقِ علمی کا ان کی زندگی سے جو قول وقرار ہوا تھا، قاضی صاحب نے اس کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھا اور خوش حالی و فارغ البالی سے انہوں نے سمجھوتہ کر کے قلمی محاذ سے کبھی ہٹنا گوارہ نہیں کیا۔

اپنے شانۂ قناعت پر کبھی کسی کے بارِ احسان اٹھانے کو انہوں نے پوری عمر اپنی غیرت وخود داری کے جنازہ سے تعبیر کیا، اس لیے وہ کسی نہ کسی بہانے منتِ احبابِ سے اپنے کو بچاتے رہے، ان کی زندگی کی اخلاقیات نے انہیں بے مثال باپ اور دردمند مربی کی صورت میں پیش کر کے قابل تقلید بنا ڈالا تھا، اتباع سنت، تصلب فی الدین اور غیرتِ ایمانی کا جذبہ ان کی سیرت کا بہت نمایاں پہلو تھا، ان کے احتساب سے صراطِ مستقیم اور راہِ نجات کو اختیار کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا، رنگینیِ کائنات اور لذتِ دنیا کے حصول کو انہوں نے ابن آدم کو سپرد کیے گئے تکمیلِ کائنات اور کارِ جہاں سازی کے فرض منصبی سے روگردانی تصور کیا، ان سب سے ان کے کردار کی عظمت کا احساس ہوتا ہے، قاضی صاحب احقاقِ حق اور ابطال باطل میں مردِ آہن تھے، مصر سے بچوں کے لیے سیرت پر محمد برانق کی ایک باتصویر کتاب بہت مفید اور سہل زبان میں چھپی، اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور دوسری اسلامی شخصیتوں کی تصویریں تھیں، قاضی صاحب کو کتاب دیکھ کر بے پناہ تکلیف ہوئی اور انہوں نے (انقلاب) میں سخت مضمون لکھا، ان کی مخالفت میں مصریوں نے بھی عربی مضامین لکھے، بات بڑھ گئی، لوگوں نے قاضی صاحب کو سمجھایا کہ ہند ومصر کے تعلقات

بہت اچھے ہیں، حکومتِ ہند آپ کے خلاف کاروائی کرسکتی ہے۔ ان دنوں عبدالعزیز عزت ہندوستان میں مصری حکومت کے نمائندہ تھے، انہوں نے قاضی صاحب کے اعتراضات ترجمہ کرا کے مجمع البحوث الاسلامیہ مصر کو بھیجا اور جواب طلب کیا، کئی مہینے پر عربی اور انگریزی میں اس کا طویل جواب آیا، جس میں تاویل کے باوجود یہ اقرار تھا کہ آئندہ ان تصویروں کے نیچے نام نہیں دیئے جائیں گے(۱)۔

قاضی صاحب حقیقی معنی میں معنیِ لفظِ آدمیت تھے، وہ بڑے سیر چشم اور مہمان نواز قسم کے بزرگ تھے، ان کا دسترخوان ہمیشہ اہلِ علم اور صاحبانِ قلم کے لیے وسیع رہا، وہ مہمانوں کی خاطر و تواضع میں اپنی توفیق اور استطاعت بھر کوئی کمی نہیں آنے دیتے تھے، وہ خود اہلِ علم تھے اس لیے صاحبانِ علم کے قدرداں تھے، ان کا گھر اہلِ علم کا مرجع تھا، اس لیے دوسروں کی بہ نسبت ان کے یہاں لوگوں کی آمد بہت تھی، دور دراز کے علاقوں سے آنے والے اپنی علمی و تحقیقی اور تصنیفی و تالیفی غرض لے کر حاضر ہوتے قاضی صاحب ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے، علم کے متلاشی حضرات کو حوالے کی کتابیں نکال کر دکھاتے، پڑھ کر سناتے اور قابل تحریر عبارت لکھاتے ہی نہیں تھے، بلکہ کتابوں سے نقل بھی کر دیا کرتے تھے، کبھی کبھی غیر مسلم اسکالر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو ان کی بھی خاطر تواضع میں انہیں کچھ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی دینی حمیت، غیرت اسلامی، عزتِ نفس اور بے لوثی ان کی داستانِ حیات کے روشن ابواب وفصول ہیں، ان کی اُفتادِ طبع کچھ اس نہج کی تھی کہ وہ دین و دیانت، خداترسی، اور دینداری کو ترجیح دیتے تھے اور دنیاوی و معاشی لذت کوشی وراحت اندوزی کو پسِ پشت ڈال دیا کرتے تھے، اور انہوں نے اپنی آسودگی کے تمام سوتے اسی خوئے فقیری سے حاصل کئے انہوں نے کبھی اپنی دینی خودداری کا سودا دنیاوی اغراض و مصالح اور منفعت کے ساتھ نہیں ہونے دیا،

(۱) نفس المصدر (ص ٦٠)۔

انہوں نے اپنی طالب علمی کے واقعات کے ذکر میں ایک واقعہ لکھا ہے، جس سے ان کی غیرت اور خودشناسی کا اظہار ہوتا ہے، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں مرادآباد گیا تو ابتداء میں ایک گھر سے کھانا کھانا پڑتا تھا، ایک ہفتہ ضمیر پر جبر کرکے چھپتے چھپاتے یہ کام کیا، پھر ڈھائی روپیہ ماہوار مدرسہ سے وظیفہ لے کر اس سے نجات حاصل کرلی اور ایک معمولی ہوٹل میں چھ پیسہ فی وقت کے حساب سے کھانا کھانے لگا (۱)۔ عروس البلاد بمبئی جسے دولت کا شہر بھی کہا اور سمجھا جاتا ہے جس کی آغوش میں سب کو روٹی روزی نصیب ہوجاتی ہے، قاضی صاحب کی نظر میں علم کش شہر ہے، وہ چاہتے تو دولت کمانے کے ہزاروں حیلے بن سکتے تھے، مگر قاضی صاحب میں جو دنیا بیزاری، علم پروری اور اخلاص دینی تھا، اس نے دولت دنیا کمانے کے تمام راستوں کو مسدود کر رکھا تھا، قاضی صاحب اپنے دینی و علمی اشغال اور فنی و قلمی انہماک میں اتنے کھوئے ہوئے تھے کہ دنیاداری کے دوسرے تمام رشتوں، اور رسمِ دل بستگی و دل جوئی کو اپنی ذاتی زندگی میں داخل ہونے کی کبھی اجازت نہیں دی، وہ عملاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس شعر کی تفسیر بنے رہے۔

رضينا قسمة الجبار فينا لنا علم وللجهال مال

(ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمارے حصے میں علم رکھا اور جاہلوں کو مال دیا)

قاضی صاحب کی پوری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ ان کا مزاج خالص علمی و تحقیقی تھا، وہ علم کا کوہِ گراں تھے اور تحقیق کا بحرِ بے پایاں بھی، مگر انہوں نے کبھی اور کسی مقام پر اپنی بلندیِ عظمت اور تکبر و نخوت کے بت نہیں سجائے، لوگوں سے اپنے فکر و فن کے آستانے پر سجدوں کے نذرانے نہیں چاہے، وہ ہمیشہ سچے خادم علم کی صورت بنائے اپنی منکسر المزاجی، عجز و انکساری اور خردنوازی کے نمونے پیش کرتے رہے، قاضی صاحب سے استفادہ کرنے والوں میں اساطینِ علم کے پہلو بہ پہلو ایسے کم علم اور نوآموز بھی تھے، جنہوں نے تحقیق کی پِتا ماری اور علمی کاموں کی سنگاخی کا درد نہیں

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک - دائرہ ملیہ مبارکپور - باراول ۱۹۸۷ء (ص ۴۶)

جھیلا تھا، لیکن قاضی صاحب نے وجاہتوں کے مینار کی طرح عظمت کی بلندی رکھنے کے باوجود کسی خرد یا نووارد بساط علم وتحقیق میں یہ احساس نہیں پیدا ہونے دیا کہ قاضی صاحب کی علمی حریم ناز سے استفادہ کے لیے شخصیتوں کی کوہِ قامتی اور فکر وشعور کی بڑائی کی ضرورت ہے وہ اپنے سے چھوٹوں سے بھی اسی انشراحِ قلبی اور اہتزازِ علمی سے ملتے تھے جو بڑوں سے ملنے کا ان کا اپنا ایک خاص طریقہ تھا۔

اخلاق وعادات

قاضی صاحب کی سیرت کا یہ کردار اتنا نمایاں اور روشن ابواب ہے کہ ان کے قریب آنے والے ہر طالب علم کو اس کا احساس ہوتا تھا قاضی صاحب نے جس میں بھی علمی ذوق، تحقیقی وفنی رغبت اور قرطاس وقلم کی خدمت کا جذبہ پاتے اس کی حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

آپ نہایت سادہ طبع، مخلص، متواضع، تکلف وتصنع سے بری، عظمت و بڑائی سے دور، طبیعت میں غیرت وخودداری، کسی کے عہدہ ومنصب یا تمول وجاہ سے نہ کبھی مرعوب ہوئے نہ اس سے جھک کر ملے، اہل علم کے بڑے قدر شناس، ظاہر داری اور مصلحت پسندی کے مخالف، حرص و تملق سے نفور خاموش خدمت کے عادی، ریاء ونمائش سے خالی، اپنے چھوٹوں کے ساتھ بے تکلف، معمولی کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی اپنے بزرگوں کا اعزاز واکرام، علماء کرام کو اپنے گھر دعوت دے کر بے پایاں مسرور، بوریہ نشینی پر قانع، دوسروں کے غم میں شریک اور ان کی خدمت کے عادی، نماز باجماعت کے پابند، کسی بھی عذر سے مسجد میں جانا نہیں چھوڑتے، شاہانہ دعوت ٹھکرا دیتے اگر اس میں کوئی خلاف شرع کام ہوتا، حلال وطیب آمدنی حاصل کرتے، روزانہ علی الصباح قبرستان جا کر مردوں کو ایصالِ ثواب کرتے تھے تو رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں آج کل زِندوں کے مقابلے میں مردوں سے زیادہ قریب ہوں پانچ بار بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

الحمدللہ قاضی صاحب کی پوری زندگی صحت وتندرستی کے ساتھ گزری، وہ کہا کرتے تھے(۱)۔ (میں نے سادہ زندگی گزاری تو اللہ نے مجھے صحت اور سکون کی زندگی عطا کی) بس کبھی کبھار نزلہ، کھانسی کا عارضہ ہوجایا کرتا تھا۔ اِدھر کچھ سالوں سے صبح سویرے ۸؍ بجے تک رطوبت اور بار بار چھینک آتی رہتی تھی، جیسے جیسے سورج نکلتا اور دھوپ تیز ہوتی، پھر سب ختم ہوجاتا جس کے لیے حکماء سے مشورہ کرکے کچھ نہ کچھ لیا کرتے تھے انگریزی دوا قطعاً استعمال نہیں کرتے تھے نزلہ زکام مسلسل رہنے کی وجہ سے سالوں سے ناک کے بائیں سوراخ سے رطوبت کے ساتھ خون آنے لگا تھا۔ جس کا علاج مختلف جگہوں پر ہوتا رہا، مگر خون کا آنا بند نہیں ہوا جس کی وجہ سے کمزوری بڑھتی جارہی تھی، آخر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ بغیر آپریشن کے خون بند نہیں ہوگا مسلسل نزلہ کی وجہ سے زخم ہوگیا ہے جس سے خون آتا ہے۔

چنانچہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۹۵ء، بروز دوشنبہ رات میں دس بجے اعظم گڑھ کے .E.N.T کے مشہور ڈاکٹر ایم کے گپتا سے آپریشن کرایا گیا۔ اور اعظم گڑھ کے مشہور ڈاکٹر M.S. FRGS کی زیرنگرانی اسحاق اسپتال میں تین دن رہے اور ڈاکٹر موصوف نے نہایت محبت اور خلوص سے علاج کیا، اور جمعرات کے دن گھر آگئے، الحمدللہ آپریشن کامیاب رہا، بار بار کہتے رہے کہ مجھے مرض یا آپریشن کی کوئی تکلیف نہیں ہے کمزوری دور ہوجائے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ علاج چلتا رہا کمزوری بدستور باقی رہی۔ ۶؍ جنوری ۱۹۹۶ء رات میں بار بار پیشاب کا عارضہ لاحق ہوا جس سے مزید کمزوری بڑھ گئی۔ اور پھر اسحاق اسپتال لے جایا گیا، جہاں ہر قسم کا ٹیسٹ ہوا، رپورٹ سے پتہ چلا کہ گردہ خراب ہے اور پیشاب کے ذریعہ خون اور طاقت ضائع ہورہی ہے، الحمدللہ چند دن میں کافی آرام ہوگیا، اور گھر واپس آگئے، مگر کمزوری مزید بڑھ گئی اسی درمیان ۲۲؍ جنوری سے رمضان شریف کا مہینہ شروع ہوگیا۔ اور کہنے لگے کہ روزہ رکھوں گا، انشاءاللہ روزے کی برکت سے صحت

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، کا مختصر سوانحی خاکہ اور علمی کارنامے (ص ۱۴)

ٹھیک ہو جائے گی اور اللہ کا ایسا فضل ہوا کہ پہلی سحری خوب اطمینان سے کھائی، روزہ رہے اور شام کو باقاعدہ افطار کیا، جب کہ اس سے قبل کھانا بہت کم ہو گیا تھا، اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ رمضان شریف کے پورے روزے رکھے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب بالکل ٹھیک ہو جائیں گے کہتے تھے کہ مجھے بیماری کی کوئی تکلیف نہیں ہے کمزوری ہے۔

یہ دور ہو جائے، میں بالکل ٹھیک ہوں اور پھر اپنے پڑھنے لکھنے میں منہمک رہنے لگے مگر کمزوری کا اظہار ہمیشہ کرتے رہتے تھے۔ انتقال سے ایک ماہ قبل بخار بھی رہنے لگا تھا، چند دن تو ۱۰۲ ڈگری تک ہو جاتا تھا مگر جلد ہی اتر جاتا تھا، چند دنوں کے بعد کچھ ہلکا بخار رہنے لگا تھا، جس کی وجہ سے طبیعت میں اضمحلال اور منہ کا مزہ بھی خراب ہو گیا، ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ گردے کا نظام خراب ہو چکا ہے، عمر بھی کافی ہو چکی ہے خون بھی ضائع ہو چکا ہے، اب مزید کسی طاقت یا خون کے پیدا ہونے کا سوال نہیں ہے، چونکہ قاضی صاحب کو بیماری کی کوئی تکلیف نہیں ہے اور یہ تو خود اللہ کا بہت بڑا کرم ہے اس لیے چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں ہے۔

الحمد للہ اس تمام اوقات میں قاضی صاحب کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، مسجد کا جانا چھوٹا تو گھر پر نماز ادا کرتے رہے اور جب کافی کمزوری بڑھی تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ ۱۲ جولائی بروز جمعہ صبح فجر کے بعد کہنے لگے کہ رات پانچ چھ بار پیشاب کرک کے ساتھ ہوئی ہے کپڑا بدلا کہ آج جمعہ ہے، جمعہ پڑھنے چلوں گا عین وقت پر بارش ہو جانے کی وجہ سے مسجد نہ جا سکے، منہ کا مزہ خراب ہو گیا ہے، کھانے کی بالکل اشتہا ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے پورے بدن میں درد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب میرا وقت آ گیا ہے دیکھو میں نے بڑی تکلیفیں اٹھا کر یہ علمی خزانہ جمع کیا ہے اگر تم سب اس کی حفاظت نہ کر سکنا تو اس کو دیوبند یا علی گڑھ دے دینا تا کہ اس کا افادہ پہونچتا رہے، تمہاری ماں اور بہنیں ہیں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو رشتہ داروں اور مہمانوں کا خیال رکھنا اور اس گھر کی روایت کو باقی رکھنا، اب میری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں کسی بھی وقت کوئی بات

ہوسکتی ہے۔(۱) دوپہر تک کافی کمزوری بڑھ گئی۔

ظہر کی نماز کے لیے بار بار کہتے رہے، تیمّم کیا مگر کمزوری کی وجہ سے قعدہ میں بیٹھ نہیں سکے پھر لٹا دیا گیا پانچ بجے پھر کہا کہ میں نماز پڑھوں گا، نیچے جائے نماز بچھاؤ میں نیچے بیٹھ کر نماز پڑھوں گا نیچے اتارا گیا مگر کمزوری کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکے اور نماز ادا نہ کرسکے پھر مغرب کی نماز کے لیے بھی بار بار اٹھنے کی کوشش کی مگر نماز ادا نہ کرسکے، اس کے بعد زیادہ نیم بے ہوشی کی حالت میں رہے، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا نقاہٹ اور بے ہوشی بڑھتی رہی، سانس کی رفتار کچھ تیز ہوگئی، اسی حال میں علم وعمل کا یہ روشن مینارہ اور تاریخ اسلام کا نیر تاباں جو خطۂ اعظم گڑھ سے چمکا اور نصف صدی تک اپنی علمی، دینی، تحقیقی اور تاریخی ضیا پاشیوں سے سارے عجم اور عرب کو منور کیا۔

"کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ" کا اطلاق ان پر بھی ہونا تھا ۲۸ر صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴ر جولائی ۱۹۹۶ء بروز یکشنبہ شب میں ۹ر بج کر ۵۵ر منٹ پر تاریخ اسلام کا یہ روشن آفتاب غروب ہوگیا۔

دوسرے دن ۱۵ر جولائی بروز دوشنبہ ۱۲ بج کر ۳۰ منٹ پر آپ کی میت غسل کے لیے نکالی گئی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی سوئے ہیں اٹھ بیٹھیں گے، پورا بدن روئی کی طرح نرم، چہرہ ایسا روشن کہ ہر شخص کی زبان پر یہی کلمہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب کی زندگی میں ان کے عمل کی بشارت دکھلا دی۔ سوا تین بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس نے پڑھائی، بنارس، جونپور، غازی پور، مئو اور اعظم گڑھ اضلاع کے اہلِ علم فضلاء اور اتقیاء نے بڑی تعداد میں شرکت کی، عام تاثر یہی تھا کہ مبارک پور میں علماء کا اتنا بڑا مجمع آج تک نہیں دیکھا گیا۔ ساڑھے تین بجے قبر میں اُتارا گیا اور تدفین عمل میں آئی (۲)۔

ڈھونڈھوگے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
جس خواب کی کوئی تعبیر نہیں اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، نمبر- ماہ ضیاء الاسلام- شیخو پور ضلع اعظم گڑھ، ص ۲۷۷۔

(۲) قاضی اطہر مبارکپوری، کا مختصر سوانحی خاکہ اور علمی کارنامے، ص ۱۸۔

باب سوم

قاضی اطہر مبارکپوری، بحیثیت ادیب، ادبی خدمات، علمی و دینی اسفار

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب جب یومِ جمعہ ۲۸/ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ نومبر ۱۹۴۹ء کو بمبئی پہنچے تو انہیں دفتر جمعیۃ العلماء وزیر بلڈنگ بھنڈی بازار بمبئی میں جگہ ملی۔ دفتر کی دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ انہیں فتویٰ نویسی کی خدمت بھی سونپی گئی۔ قاضی صاحب نے پہلے ہی اپنی طالبِ علمانہ زندگی میں علومِ متداولہ کی تمام نصابی کتابوں پر زبردست محنت کی تھی اور علم و مطالعہ سے اپنے اندر ایسی صلاحیتیں پیدا کرلی تھیں کہ انہیں آگے کے علمی سفر کے لیے چراغِ راہ کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ وہ فقہ حنفی کے علاوہ دوسرے مسالک فقہ کے اصول ونظریات اور اختلافات ومباحث سے بھی اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ حالات وزمانہ کے مقتضیات پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ فقہ کی ایک خاص قدر اور پیمانہ وقت و حالات کی سماجیات اور عمرانی تصورات میں بھی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ قاضی صاحب اس بصیرت سے بھی بے بہرہ نہیں تھے۔ اس لیے وہ فتویٰ نویسی میں کامیاب رہے۔ فقہ سے ان کو کتنی دلچسپی اور اس باب میں ان کا علم کتنا زندہ تھا، اس کا اندازہ ان کے ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی کے ان مضامین ومقالات سے بھی بخوبی ہوجاتا ہے، جو ان کے قلم سے مختلف موقعوں پر نکلے ہیں۔ امام محمد کی کتاب ''الآثار'' جنوری ۱۹۶۷ء ''اسلامی شریعت اور حالات وزمانہ'' جون ۱۹۷۲ھ ''چند مسائل رمضان'' اکتوبر ۱۹۷۳ء ''فقہ اہلِ سنت کی ابتدائی تاریخ'' جولائی ۱۹۵۴ء، ''فقہ اہلِ سنت کی ترویج واشاعت'' ستمبر ۱۹۵۴ء، ''امام سرخسی اور اصول سرخسی'' جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ ان کے علاوہ اور بہت سے ایسے ہی عنوانات کے مضامین ہیں جو ان کی فقہی بصیرت کی شہادت میں پیش

کیے جاسکتے ہیں۔ ان کی کتاب ''ائمۂ اربعہ'' بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے۔ جس سے ان کی فقہی معلومات پر روشنی پڑتی ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ قاضی صاحب اہلِ سنت کی فقہ کے چاروں مسلک حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی کے اصول واختلافات سے کما حقہ واقف ہیں۔ ''فقۂ اہلِ سنت کی ابتدائی تاریخ'' کے عنوان سے ان کا مقالہ جو ''البلاغ'' کے شمارہ نمبر ۲/ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ/ جولائی ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا ہے۔

اس کا ابتدائی انداز یوں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیِ مبارک میں شریعت کا دارو مدار وحی الٰہی کے تازہ ارشادات تھے چاہے وہ ارشادات کتاب اللہ (قرآن) کی صورت میں ہوں۔ چاہے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث) کی صورت میں ہوں۔

انہوں نے مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے عالی کے ساتھ ممتاز صحابۂ کرام، اس کے بعد چاروں امام اور دوسرے فقہاء اور ان کی فقہ کو مضوع بحث بنایا ہے۔ انہوں نے اس مضمون کے آخر میں ائمۂ اربعہ کے اصول کے ضمن میں چاروں مسلک فقہ کے اماموں کے اصول پر گفتگو کی ہے اور امامِ اعظم ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصولِ فقہ کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ مسائل کا حل پہلے قرآن میں تلاش کرتے ہیں جب اس مسئلے کا حل نہیں ملتا تو احادیثِ شریفہ سے رجوع کرتے ہیں۔ جب حدیثِ رسول میں بھی حل نہیں پاتے تو آثار صحابہ کو انتخاب کرتے ہیں۔ اس کے بعد اجتہاد وقیاس سے کام لیتے ہیں۔ امام مالک کے بارے میں کہتے ہیں کہ پہلے دونوں اصول کے ساتھ تعاملِ اہلِ مدینہ کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات اس تعامل کی وجہ سے حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان اصولوں کے علاوہ اُن چاروں مسلک کے ائمۂ فقہ کے یہاں ایک اور بات بھی ملتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض معاملات میں کسی مسئلے میں قیاس کے خلاف عمل کیا جاتا ہے۔ حنفیہ اس کو ''استحسان'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور قریب

قریب یہی مفہوم امام مالک کے لفظ ''استصلاح'' کا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اسی معنی میں ''استدلال'' کا لفظ مروج ہے(۱)۔

تدریسی خدمات:

قاضی صاحب کی تدریسی خدمات کی ابتداء تفسیر نگاری سے ہوئی ہے انہیں اپنی تصنیفی زندگی کے آغاز ہی میں کتابِ الٰہی کی خدمت اور کلامِ ربانی کے سمجھنے سمجھانے کا زرّیں موقع حاصل ہوگیا تھا۔ جب وہ لاہور گئے تو انہوں نے اخبار و جرائد میں لکھنے کی شروعات کی۔ اسی دور میں انہیں یہ اطلاع دی گئی کہ ''زمزم'' کمپنی لاہور کی طرف سے ہندوستانی مفسرین کی تفسیروں کی روشنی میں ایک ایسی تفسیر کی اشاعت و ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

جس میں ہندوستانی مفسروں کی اُردو تفسیروں کا خلاصہ کتابی شکل میں مرتب کیا جائے گا وہاں ''زمزم'' لاہور کی طرف سے مولانا محمد عثمان فارقلیط کی نگرانی و رہنمائی میں تفسیر ''منتخب التفاسیر'' کی جمع و ترتیب کے لیے قاضی صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔

اِس تفسیر کے سلسلے میں انہوں نے اپنے خودنوشت حالات ''کاروانِ حیات'' میں تفصیل کے ساتھ اہم اطلاعات دی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں ہندوستان کی تمام مروجہ اور متداولہ تفسیروں کا خلاصہ یکجا کیا گیا تھا۔ ہندوستان کے بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ایک ایک آیت کے تحت کئی کئی صفحات کا احاطہ کر رکھا تھا، جو عوامی ذہنوں کے لیے انتشار کا سبب تھا۔ بعض علمائے تفسیر نے بہت اختصار سے کام لیا تھا یہ بھی عوام کی ذہنی سطح سے بالاتر چیز تھی۔ نتیجتاً عوام الناس کے لیے دونوں طرح کی تفسیریں اطمینان بخش نہیں تھیں، اس لیے طویل تفسیری مباحث و مسائل کا اختصار اور مختصر و اہم مضامین و مقاماتِ تفسیر کی تشریح و تفہیم کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔

''منتخب التفاسیر'' میں آیت کے لیے جو جگہ پہلے سے متعین کردی گئی تھی اتنی ہی جگہ میں ہر آیت کے تحت تفسیری مباحث و مفاہیم اور تشریحات و توجیہات کا کام مرتب کو مکمل کر لینا تھا۔ یہ

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، مئے طہور (ص ۷۰)

کام بڑی دقت نظر، وسعتِ مطالعہ اور علمی بصیرت کا متقاضی تھا۔ اسی کے ساتھ قلم کی پختگی اور زبان و بیان پر قدرت بھی درکار تھی۔ قاضی صاحب اپنی علمی استعداد اور اللہ کی بخشی ہوئی توفیق سے تلخیص وتوضیح کی اس جاں گسل اور نازک ذمہ داری سے بھی بطریقِ احسن عہدہ برآں ہو گئے۔ انہوں نے ہر مفسر کے مقصد و منشاءِ عبارت کو سمجھ کر مختصر لفظوں میں اپنی بات مکمل کر لی اور کوئی تشنگی بھی باقی نہیں چھوڑی۔ اُن کی اِس تفسیر کی یہ خصوصیت تھی کہ پہلے عربی متن اور ٹھیک اس کے نیچے اُردو ترجمہ ہوتا تھا، تفسیر حاشیے پر تھی۔ متن ترجمہ اور حاشیہ کو الگ الگ رنگوں میں چھاپنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اس طرح یہ تفسیر تین رنگوں میں منظرِ عام پر آنے والی تھی۔

''منتخب التفاسیر'' کے کام کا جب آغاز ہوا تو قاضی صاحب کو مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ کا ''حمائل شریف'' دیا گیا اور تفسیروں میں ''تفسیر بیان القرآن''، ''تفسیر حقانی''، ''تفسیر ثنائی''، ''ترجمان القرآن''، ''تفہیم القرآن'' اور ''تفسیر ماجدی'' کے مطبوعہ حصے فراہم کیے گئے۔ کام کا آغاز ہوا تو وہ روزانہ تقریباً دو صفحے اس تفسیر کے لکھ لیا کرتے تھے۔

قاضی صاحب کے بیان کے مطابق ۱۵ر جنوری ۱۹۴۵ء سے یکم جون ۱۹۴۶ء تک سولہ ماہ کی قلیل مدت میں انہوں نے اپنے بڑے تفسیری کام کو بڑے سائز کے ساڑھے نو سو صفحات میں سمیٹ کر مکمل کر لیا۔ کتابت کا کام بھی ان کی موجودگی میں شروع ہو گیا اور ساڑھے تیرہ پارہ کی کتابت ہو چکی تھی کہ تقسیم ملک کے ہنگامے شروع ہو گئے اور ہر طرف سرخ آندھیاں چلنے لگیں۔ قاضی صاحب ان حالات میں یہ سوچ کر وطن واپس لوٹ آئے کہ جب ماحول سازگار ہوگا اور انسانی ذہن و دماغ سے فرقہ واریت کے گرد و غبار ہٹیں گے تو پھر لاہور آ کر اپنے علمی مشغلہ کو جاری رکھوں گا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی ختم نہیں ہوئی اور ملک میں خون آشامی کا سلسلہ دراز تر ہوتا گیا۔ قاضی صاحب کو پھر لاہور جانے کی نوبت نہیں آئی اور ''منتخب التفاسیر'' ان مکروہاتِ زمانہ کی نذر ہو گئی اور وہ اشاعت پزیر نہیں ہو سکی۔ قاضی صاحب کو اپنی جوانی کی اس مذہبی و دینی اور علمی و قرآنی

محنت کے ضائع ہو جانے کا قلق عمر بھر ستاتا رہا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دورِ شباب میں قرآن کی خدمت کا کام لیا، لیکن زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ لیکن میری آئندہ کی علمی زندگی کے لیے باعث خیر و برکت ثابت ہوا۔ اگر چہ ''منتخب التفاسیر'' مطبوع نہیں ہو سکی لیکن قاضی صاحب کو تفسیر نگاری سے جو حظِ نفس حاصل ہو چکا تھا اُس کی لذت کو وہ بھول نہیں سکتے تھے۔ اِس لیے انہوں نے روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی سے اپنی وابستگی کے بعد ''جواہر القرآن'' کے عنوان سے قرآن فہمی کی روایت کو پھر زندہ کیا۔ اُن کے اِس سلسلۂ قلم کو مسلمانوں کے ہر طبقے میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ ان ہی مباحث پر مبنی قاضی صاحب کی کتاب ''معارف القرآن'' جب شائع ہوئی تو مولانا عبدالماجد دریابادی نے ''صدقِ جدید'' کی ۱۹/نومبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا کہ، قاضی طہر مبارک پوری صاحب ایک کہنہ مشق صاحب قلم ہیں۔

بمبئی کے اخبارات و جرائد میں ان کے قلم سے دینی، اِسلامی، اِصلاحی عنوانات پر مضامین سالہا سال سے نکل رہے ہیں۔ یہ اُن کے اس قسم کے مختصر مضامین کا مجموعہ ہے اور ہر مضمون کا تعلق قرآن مجید کی کسی نہ کسی آیت سے ہے۔ جلی عنوانات، توحید، رسالت، کتاب اور دینی زندگی نظر آئے۔ حالاتِ حاضرہ پر اشارے مصنف جابجا کرتے گئے ہیں، جو اکثر صورتوں میں مفید بھی ہیں اور پُر لطف بھی، مثلاً: ص ۴۳-۴۵، پ: ۲۱، ع: ۱۲ کے حوالے سے: ''واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ'' الخ کی تشریح اور اُس کے ضمن میں آج کل کے احیاءِ سنگ تراشی، بُت سازی، رقاصی وغیرہ کی تحریک پر تبصرہ۔

اِس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''جواہر القرآن'' سے ایک مثال بھی پیش کر دی جائے۔ جو روزنامہ انقلاب بمبئی میں روزانہ شائع ہوتی رہی ہے تاکہ قاضی صاحب کے طریقۂ تفسیر کا اندازہ بھی ہو جائے اور اُن کا طرزِ بحث بھی سامنے آ جائے۔ آیت کا اُردو ترجمہ اور ترجمہ کے بعد تفسیر ملاحظہ ہو، ترجمہ۔ اور جب اُن کے سامنے کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کی حجت اِس کے علاوہ نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ تم ہمارے آباء و اجداد کو لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (پ: ۲۵- ع: ۱۹)

تفسیر:

اگر تم کسی سے کہو کہ آگ مت چھوؤ ورنہ جل جاؤ گے اور سمندر میں مت کودو ورنہ ڈوب جاؤ گے اور وہ اِس کے جواب میں کہے کہ ذرا کسی کو آگ میں جلا کر دکھاؤ، سمندر میں پھینک کر ثابت کرو، تو ہم جانیں کہ واقعی تمہاری بات صحیح ہے تو تم بتاؤ اسے کیا کہو گے؟ ظاہر ہے ایسے لوگ احمق ہیں اور ان کی یہ باتیں سراسر لغو اور بے کار ہیں۔ مگر اِس حقیقت کے باوجود دنیا میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جو کھلی کھلی حقیقتوں کے مقابلہ میں اپنی عقل مندی پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم عقل مندوں کے عقل مند ہیں۔

چنانچہ جب اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار و مشرکین سے کہتے تھے کہ تم لوگ مرنے کے بعد زندہ کیے جاؤ گے تو وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ اگر یہ بات صحیح ہے تو تم ہمارے مرے ہوئے رشتے داروں کو زندہ کر کے دکھاؤ، حالاں کہ وہ بے وقوف دیکھتے تھے کہ سوکھے، سڑے، گلے دانوں سے پودے اُگتے ہیں۔ کھیت سے کاٹ کر لائے ہوئے، بیجوں کو پھر اِسی کھیت میں سال دو سال کے بعد زندگی ملتی ہے۔ ایسے نادانوں اور احمقوں کا علاج اِس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اُن کی عقل پر فاتحہ پڑھ دی جائے (۱)۔

علمی و دینی اسفار:

علمی انہماک میں رہنے اور کتاب و قلم سے پیمانِ وفا باندھنے کے باوجود قاضی صاحب نے بہت سے علمی و دینی سفر کیے۔ جہاں بھی گئے انہوں نے اپنے علم و عرفان و آگہی میں اضافہ کی کوششیں کیں۔ بعض سفر کی روداد بھی ''البلاغ'' وغیرہ میں شائع ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر دور میں علم و معارف کے جویا رہے اور پوری عمر انہوں نے طالبِ علم بن کر گزارنی چاہی۔ ان کے

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری مئے طہور (ص: ۷۳)

غیر ملکی سفر کی ابتداء ۱۳۷۵ھ میں حج وزیارت کے مبارک سفر سے شروع ہوئی۔ دوسرا حج ۱۳۸۵ھ میں، تیسرا ۱۳۹۳ھ میں اور چوتھا حج ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۶ء میں کیا۔ ان کے بیٹے مولانا خالد کمال (۱۹۳۸ء-۱۹۹۹ء) نے اسی سفر میں انہیں بلادِ اسلامیہ کی سیر کرائی۔ اس طرح مکہ، مدینہ، جدہ، طائف، الخبر، دمام، ریاض اور درعیہ (سعودیہ عربیہ کے شہر) کے اہلِ علم اور کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ دمشق میں حکامِ بالا نے انہیں ہوائی اڈے سے باہر نہیں جانے دیا۔ کویت کے کتب خانوں کو دیکھا اور علمی شخصیتوں سے ملاقات کی۔ پھر شام سے مصر گئے تو جامعہ ازہر کی زیارت کی اور اہم علمی ودینی شخصیتوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ قاہرہ ان کی نظر میں دار العلوم والکتب معلوم ہوا۔

فراعنۂ مصر کی حنوط کی ہوئی لاشوں اہرام مصر اور ابوالہول سے عبرت حاصل کی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دی۔ کتب خانوں سے علمی استفادہ کیا۔ قاہرہ سے اُردن گئے تو بیت المقدس کی زیارت کرنی چاہی مگر اسرائیل نے اجازت نہیں دی۔ اُردن یونیورسٹی کے اساتذہ سے مذاکرہ ہوا اور کتابوں کا تحفہ ملا اُردن میں رومیوں کے قدیم مدرج وآثار بہت ہیں، عجائب خانوں میں اموی خلفاء وامراء کے لباس وظروف موجود ہیں۔ پانچواں حج ۱۴۰۲ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے کیا (۱)۔

اداروں سے تعلق:

قاضی صاحب کی زندگی علوم ومعارف سے عبارت تھی۔ اس لیے ان کا علمی تعلق بھی علمی اداروں سے بہت گہرا اور مثبت تھا۔ ضلع اعظم گڑھ اور آس پاس کے ضلعوں میں جو معروف مدارس ہیں سب سے ان کا لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے اداروں کی رُکنیت بھی انہیں حاصل تھی۔ وہ انجمن تعمیراتِ ادب مزنگ لاہور کے معتمد، ادارہ التراث العربی کویت کے مشیرِ علمی، جمعیۃ العلماء

(۱) نفس المصدر (ص۷۳)

مہاراشٹر بمبئی کے صدر، دینی تعلیمی بورڈ مہاراشٹر کے صدر، انجمن خدام النبی کے رُکن، رویت ہلال کمیٹی جامع مسجد بمبئی کے رُکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے سربراہ، دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رفیقِ اعزازی، ماہ نامہ ''برہان'' دہلی کے مدیر اعزازی، دارالعلوم تاج المساجد بھوپال، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ اشرفیہ نیا بھوج پور (بہار) کے رُکن مجلس شوریٰ تھے۔ وہ اپنے علاقہ کے تمام مدارس سے گہرا ربط رکھتے تھے۔ان کے ذمہ داروں کی حوصلہ افزائی، نظامِ تعلیم میں دلچسپی اوران کی جملہ رہنمائی کے لیے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کا بیان ہے کہ قاضی صاحب کی عنایت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ دیوبند کے سفر کے دوران اس نواح میں اپنے نیاز مندوں اور رابطہ رکھنے والوں سے ملاقتیں کر کے خوش ہوتے تھے اور جو لوگ قاضی صاحب سے گزارش کرتے ان کے مدارس کا سفر کرتے، جس کے لیے نہ موٹر کی ضرورت تھی، نہ زادراہ، نہ نذرانہ کا سوال (۱)۔

قاضی صاحب جب بہرائچ میں الانصار سے متعلق تھے اس وقت مولانا محفوظ الرحمٰن نامی کے ساتھ کاغذ خریدنے کے سلسلے میں لکھنؤ جایا کرتے تھے۔ راستہ میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے بھی تعلق ہوگیا تھا۔لاہور کے زمانۂ قیام میں میونسپل لائبریری لاہور سے متعلق ہوئے اور وہاں سے کتابیں لا کر ان سے استفادہ کرنے لگے۔ان کی کتاب ''ائمۂ اربعہ'' میں ''طبقات الشافیہ الکبریٰ''۔

اور ''تاریخ ابنِ عساکر'' کے جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ اسی لائبریری سے حاصل کی گئی کتابوں کے اقتباسات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں اقتباسات کی مدد سے بعد میں ''افادات امام احمد ابن حنبل'' کے نام سے ایک کتاب بمبئی میں کاتب سے لکھوائی جو ابھی تک غیر مطبوع صورت میں اُن کے اخلاف کے پاس پڑی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ ابنائے مولوی محمد بن غلام رسول سورتی کے کتب خانۂ بمبئی سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ قاضی صاحب نے اس کتب خانہ

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری نمبر۔ ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ (ص ۲۸۲)۔

سے حاصل معلومات واقتباسات سے اپنی علمی و تصنیفی زندگی میں کافی فائدہ اٹھایا۔اسی طرح انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی میں کریمی لائبریری کے نام سے قدیم اردو،عربی، فارسی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا،اس سے بھی استفادہ کیااور قدیم اُردو اخبارات سے مبارک پوراوراعظم گڑھ کے بارے میں اہم معلومات حاصل کیں۔گزشتہ صدی میں یہاں کے فسادات وغیرہ کے بارے میں کافی مواد جمع کیا(۱)۔

اداروں کا قیام:

قاضی صاحب کے اندر تحریکِ علمی اور فلاح قومی کی جو تڑپ قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ وہ جہانِ علم ودانش کے گہواروں سے ربط وتعلق رکھیں، وہیں جہل و غباوت کے اندھیروں کے خلاف جنگ چھیڑنے کی تیاری بھی کریں اوراپنی زندگی کے چراغ سے ایسے چراغِ راہ روشن کرجائیں، جوان کے چراغ حیات کے گل ہوجانے کے بعد بھی اسلامی اقدار وروایات کی روشنی کو ہر دور میں محفوظ رکھنے کی ضمانت بنیں۔اسی جذبے کے تحت بھیونڈی میں ایک مدرسہ مفتاح العلوم کے نام سے ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء میں بھیونڈی کے کچھ دینی خدمات کا جذبہ رکھنے والے افراد کے تعاون سے قائم کیا۔بھیونڈی میں مبارک پوراورآس پاس کے کچھ لوگ آباد وخوش حال تھے۔وہ لوگ اس کے قیام پر رضا مند ہوئے۔قاضی صاحب کے دوست مولوی محمد یٰسین ابراہیم پوری اس کے پہلے مدرس قرار پائے۔اب یہ مدرسہ ترقی واستحکام حاصل کرکے دین کا قلعہ بن چکا ہے اور خیر وفلاح کے کام میں لگا ہوا ہے۔

ادارہ احیاء المعارف:

۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء میں معہد ملت مالیگاؤں کے اولین مدرسین مولانا بشیر احمد مبارک پوری، مولانا محمد عثمان ساحر مبارک پوری اور مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی تھے۔انہیں دنوں میں قاضی

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری مئے طہور (ص ۷۵)

اطہر مبارک پوری ایک ہفتہ تک مالیگاؤں میں ادارۂ احیاء المعارف کے قیام کے سلسلے میں مقیم رہے۔اس کے قیام کے پیچھے یہ مقصد تھا کہ عربی کی نادر و نایاب کتب اور مخطوطات شائع کیے جائیں۔اس زمانے میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی محدث کبیر متوفی ۱۹۹۲ء بمبئی زیادہ آتے جاتے تھے۔انہیں اس کی سربراہی کے لیے منتخب کیا گیا۔

علماء اس کے ارباب حل وعقد بنائے گئے اور ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں اس ادارے کی طرف سے پہلی کتاب ''انتقاء'' (اختصار کتاب الترغیب والترہیب للمندری لابن حجر متوفی ۸۵۲ھ) مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تعلیق وتصحیح کے ساتھ عربی ٹائپ میں شائع کی گئی انہیں مولانا اعظمی کی تعلیق وتصحیح سے حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب ''الزہدوالرقائق'' چھپی ۔مولانا عبدالحمید نعمانی بانی معہدِ ملت مالیگاؤں اور دوسرے مالیگانوی علماء مثلاً مولانا محمد عثمان، مولانا عبدالقادر وغیرہ کی کوششوں میں یہ بات شامل ہوگئی کہ جو مبارک پوری علماء معہد ملت کی مدرسی پر مامور ہیں، ان کی جگہ پر مقامی مدرسین کی تقرری کی جائے اس علاقائی عصبیت نے ادارۂ احیاء المعارف کے سلسلے میں مستقبل کے لیے اندیشے پیدا کر دیئے قاضی اطہر مبارک پوری اس سے علاحدہ ہوگئے اور دو کتابوں کی اشاعت کے بعد ادارہ بھی ختم ہوگیا۔احیاء المعارف سے مولانا اعظمی کی شہرت و ناموری کو بڑا فائدہ پہنچا اور وہ علمی دنیا میں پہچانے جانے لگے۔

دائرہ ملیہ:

مؤرخِ اسلام قاضی اطہر مبا کپوری صاحب نے تصنیف وتالیف کی غرض سے ایک ادارہ ''دائرۂ ملیہ'' اپنے وطن مبارک پور میں قائم کیا اس ادارے سے قاضی صاحب نے ۱۹۵۰ء میں ''افادات حسن بصری'' کے نام سے چھپن صفحات کا ایک رسالہ شائع کیا۔ یہ رسالہ قاضی صاحب نے احیاء العلوم کی اپنی عارضی مدرسی کے وقت لکھا تھا۔ اس کے مقدمہ میں تاریخ ۸/ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱/ستمبر ۱۹۴۷ء درج ہے قاضی صاحب کی دوسری کتابیں تذکرۂ علمائے مبارک پور وغیرہ بھی اسی ادارہ کے اشاعتی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ:

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی محدث مئوی، مولانا عبدالطیف نعمانی مہتمم جامعہ مفتاح العلوم مئو (۱۸۹۸ء-۱۹۷۲ء) اور قاضی صاحب میں ایک ایسے ادارہ کے قیام کی بات چل رہی تھی، جو قدیم علمی و دینی کتابوں اور صدرِ اسلام کے محدثین وفقہا کے مخطوطات کو تعلیق وتحشیہ کے ساتھ جدید مذاقِ علمی کے مطابق چھاپے۔ اس کے ساتھ موجودہ دور کے عصری تناظر میں بعض فقہی مسائل میں تحقیق کرے اور اسلامی دنیا کے مستند علماء سے استصوابِ رائے کرے۔ تقاضائے وقت کے مطابق تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام بھی اس کے ذریعہ ہو۔ اس کے تمام کاموں کی سرپرستی مولانا اعظمی فرمائیں۔ پہلی میٹنگ ۱۵رمئی ۱۹۶۵ء کو مئو میں ہوئی، دوسری نشست ادری میں، اسی مئی میں ہوئی، مگر یہ خواب اپنی تعبیر نہیں پاسکا۔ اس کا نام ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ تجویز ہوا تھا۔ اسی کے تعلق سے ''انقلاب'' بمبئی کی ایک اشاعت میں دو فاضل اساتذہ قاضی اطہر مبارک پوری اور سید عبدالعزیز عزت مبعوث الازہر بمبئی نے ثقافتِ اسلامی اور اصلاحِ امت کے سلسلے میں ایک بحث شروع کی تھی، اسی میں قاضی صاحب نے بمبئی میں دارالمعارف اسلامیہ کے قیام پر بھی توجہ دلائی تھی۔ جس کو پڑھ کر الاستاذ احمد فرید الیمانی نے لکھا تھا: ''استاذ مبارک پوری نے مغربی علماء کی اسلام کے خلاف دشمنانہ حرکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے(۱)۔

آگے چل کر وہ دارالمعارف کی تجویز کے بارے میں کہتے ہیں، میں جناب قاضی اطہر مبارک پوری سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی تجویز میں حق اور حقیقت پر ہیں اور اس میں اخلاص کی بڑی فراوانی ہے۔ مگر میرے محترم! آپ اپنے اخلاص وافکار میں تنہا ہیں۔ جس بستی کو آپ نے آواز دی ہے وہ نہ آپ کو ہی سنتی ہے اور نہ آپ کے ان خیالات کو جانتی ہے، جنہیں آپ نے دارالمعارف اسلامیہ کے سلسلے میں پیش کیا ہے۔ یہ دنیا نئی دنیا ہے، جو نئی راہوں پر چلا رہی ہے اور اپنے شاندار

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری- ماہنامہ البلاغ بمبئی ستمبر ۱۹۶۴ء اصلاح امت اور ہماری ذمہ داری (ص ۴۲)۔

ماضی اور پرشکوہ روایات سے یکسر نابلد ہوکر جدید تمدن اور نئے ماحول پر اپنے ذہن ومزاج کو قربان کررہی ہے(۱)۔

جامعہ حجازیہ:--۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں قاضی صاحب نے جامعہ حجازیہ کے نام سے مبارک پور میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔اس کی شاندار مسجد اور عمارت کی تعمیر ہوئی۔

پرائمری تعلیم سے آغاز ہوا اور بعد میں عربی، فارسی اور حفظ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا، مگر اس کے بعد کچھ اس طرح کے حالات پیش آئے کہ اس کی علمی مجلس کا رنگ باقی نہ رہا۔لیکن اب قاضی صاحب کے لڑکے قاضی ظفر مسعود نے اس کی نشاۃِ ثانیہ کے طور پر تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ چوں کہ ظفر مسعود بھی علم وتعلم کے سلسلے میں گرمیِ اخلاص کا ثبوت دیتے تھے، اس کے حوالے سے ان کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔ان سے بجاطور سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ یہ اپنے والد مرحوم کے ادھورے کاموں کی تکمیل اور ان کی علمی وتعلیمی یادگاروں کو باقی رکھنے میں کوئی دقیقہ فراموش نہیں کرنے والے تھے لگتا تھا کہ وہ اپنی جہد مسلسل سے نئی روح پھونکیں گے۔ لیکن ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۹ء کو وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

کتب خانۂ قاضی:

یہ قاضی صاحب کا بڑا قیمتی کتب خانہ ہے۔ قاضی صاحب بچپن ہی سے کتابوں کی فراہمی میں دلچسپی رکھتے تھے۔جلدیں باندھ باندھ کر پیسہ جمع کرکے ان سے عربی کی قدیم کتابیں خریدتے تھے۔اس کی تفصیلات قاضی صاحب نے ''قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک'' میں لکھی ہیں۔قاضی صاحب کے یہاں عربی کی قدیم کتابوں، تاریخ ورِجال، سیر ومغازی اور جملہ علوم وفنون پر ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے۔سفر میں بھی کہیں آتے جاتے تو اپنے ذوق کی کتابیں خریدلیا کرتے تھے۔ جب ان کی شہرتِ علمی دنیا میں ہوئی تو بہت سے اداروں، قلمکاروں، حکومتوں نے بھی انہیں اپنی

(۱) نفس المصدر،ص۴۴۔

مطبوعات ہدیتاً پیش کیں۔ آج انہیں کتابوں پر مشتمل ان کا ''کتب خانۂ قاضی'' ایک اہم تحقیقی وعلمی ادارہ بن چکا ہے۔ کوئی بھی علم وتحقیق کا متلاشی، خصوصاً مشرقی علوم پر تحقیق کرنے والا اس کتب خانے سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ قاضی صاحب کا یہ صدقۂ جاریہ ان کے وفات کے بعد بھی اہلِ علم کی پیاس بجھا رہا ہے۔

انصار گرلس انٹر کالج:

حاجی عبدالغنی اطلس والا مبارک پور کے پارچہ بافوں سے وطنی نسبت رکھنے کے علاوہ قومی و فلاحی، تعلیمی وتہذیبی تصورات کے اطلسی تانے بانے سے عملی دنیا کی کارگہِ شیشہ گری کے نازک عمل میں، ایسے فلاحی ورفاہی اداروں کی زرتار قباء گلگوں تیار کرتے ہیں، جو آگے چل کر تعلیمی وتہذیبی ملبوسات وزیورات سے عاری بلکہ نیم برہنہ قومی وملی زندگی کے لیے سولہ سنگھار ثابت ہوتے ہیں۔ وہ معاشی اعتبار سے نہایت مصروف اور ہنگامہ خیز زندگی گزارتے ہیں۔ مگر وہ اپنی خدمات وجذبات کے حوالے سے تاجروں کے اس بے غرض، بے باک، بے لوث، دردمند، عوام دوست، دیانت دار، باضمیر اور دور اندیش قبیلے سے تعلق وعلاقہ رکھتے ہیں، جو اَب دن بدن ناپید ہوتا جارہا ہے۔ ایسے لوگوں کی جتنی ضرورت بڑھ رہی ہے، اتنی ہی ان کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔

ان کے دونوں بھائی مرحوم محمد سیٹھ اطلس والا، اور عبدالشکور اطلس والا بھی اپنی خاندانی روایتوں کے امین ہیں۔ اسی طرح ان تینوں بھائیوں کے اخلاف بھی صالح اور نیک ہیں۔ مختلف ملی، سماجی اور قومی میدان میں سرگرم عمل ہیں۔ یہ پورا کنبہ قاضی صاحب کا معتقد اور قدر شناس بھی ہے۔ چوں کہ مبارک پور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کوئی دانش گاہ نہیں تھی۔ حاجی عبدالغنی اپنی مادرِ وطن کی گود میں ایک ایسی تربیت گاہ کی کمی کو شدت سے محسوس کررہے تھے۔ انہوں نے اپنے اس اضطراب ذہنی کا ذکر قاضی صاحب سے کیا۔ اس طرح حاجی صاحب کی تحریک اور قاضی صاحب کی تنظیم پر تعلیم نسواں کے سلسلے میں ایک خواب دیکھا گیا۔ جس کی تعبیر بھی دیکھنے کے لیے مبارک پور

کے چند باحوصلہ نوجوانوں پر مشتمل ''انصار ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر اکیڈمی، وجود میں آئی۔ جس کے تحت ۱۰/اپریل ۱۹۷۶ء کوانصار گرلس اسکول کی بنیاد کے لیے قاضی صاحب کے ہمراہ حاجی عبدالغنی اطلس والا، شبیر احمد راہی اور مولانا عبدالرحمٰن قمر مبارک پوری بمبئی سے مبارک پور تشریف لائے۔ جلسۂ سنگ بنیاد کی صدارت قاضی صاحب کے حصے میں آئی۔

حاجی عبدالغنی اطلس والا اس تعلیمی ادارے کے بانی سرپرست اور قاضی ظفر مسعود بانی صدر تھے۔ حاجی عبدالغنی اطلس والا کی سرپرستی میں یہ اسکول انٹر کالج بن چکا ہے۔ حاجی صاحب کے بھائی مرحوم حاجی محمد سیٹھ اطلس والا بار بار بمبئی سے آکر اپنے ذہنی خاکہ کے مطابق اس عمارت کے نقش ونگار میں رنگ بھرتے رہے اور اب اس کی عمارت حاجی صاحب کے ذوق تعمیر کی تصویر بنی مسکرا رہی ہے۔ ضلع اعظم گڑھ کے حسنِ صورت رکھنے والے تعلیمی اداروں میں اس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں تقریباً سترہ سو لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ اس کی حنا بندی ولالہ کاری میں قاضی صاحب کا بھی خونِ جگر شامل ہے(۱)۔

درحقیقت قاضی صاحب کی علمی سرگرمیوں کا محور دو موضوعات ہیں ایک عرب و ہند کے قدیم ترین گوناگوں تعلقات کی داستان سرائی اور دوسرا دیار پورب میں علمی و تعلیمی ترقیوں کی روشن تصویر پیش کرنا، عرب سیاحوں، جغرافیہ نویسوں اور مؤرخوں نے اس ملک کی تمدنی اور سیاسی تاریخ کے ساتھ خصوصی اعتنا کیا ہے۔ جاحظ، سلیمان تاجر، ابن خردازبہ، مسعودی، قاضی صاعد اندلسی، عبدالکریم شہرستانی، ابن ابی صیبعہ، ابن بطوطہ اور قلقشندی وغیرہ نے اپنی تصانیف میں ہندوستان کے جغرافیہ، تہذیب و تمدن، معاشرت، نظام حکومت اور مذاہب پر مبسوط و فاضلانہ بحث کی ہے۔ اردو میں اس موضوع پر سب سے پہلی مبسوط اور محققانہ تصنیف علامہ سید سلیمان ندوی کی عرب و ہند کے تعلقات ہے۔ ۱۹۲۹ء میں جب یہ منصۂ شہود پر آئی تھی تو علمی دنیا اس کی نادر تحقیقات و معلومات کے غلغلہ سے گونج اٹھی تھی۔

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، مئے طہور (ص ۷۹)

لیکن دنیائے تحقیق میں کسی بات کو حرف آخر کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ اس کا کارواں ہمیشہ ہردم رواں پیہم دواں رہتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ سید صاحب نے اپنی ژرف بینی اور تلاش وجستجو سے ہندوستان سے عرب کے گوناگوں روابط کا ایک دلکش اور معلومات آفریں مرقع پیش کر دیا ہے۔ لیکن قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کاوش وتحقیق اور مزید نایاب مآخذ سے استفادہ کر کے اس زمین کو آسمان بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اور چھ ضخیم مجلدات میں عرب و ہند کے عہد بعہد سیاسی، تجارتی، علمی اور مذہبی روابط کے بے شمار گوشوں اور گوناگوں خصوصیات کو اُجاگر کیا ہے۔ ان میں بکثرت ایسے قیمتی اور نادر مآخذ کے حوالے ملتے ہیں جن تک اس عہد میں سید سلیمان ندوی کی رسائی نہیں ہو سکی تھی۔

قاضی صاحب کی ان گرانقدر تصانیف ہی سے ہم پر اس تاریخی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ سے مختلف تہذیبوں کا سنگم اور ایک اعلیٰ تمدن کا گہوارہ رہی ہے۔

قاضی صاحب کی تحقیقات سے ہماری معلومات میں یہ بھی اضافہ ہوتا ہے کہ عربوں نے ہندوستان میں صرف سیاست رانی اور جہانبانی ہی کے جوہر نہیں دکھائے بلکہ انہوں نے یہاں اسلامی علوم وفنون کی ہر شاخ کو گرانبار کیا اور اپنے شاندار علمی کارناموں سے اس ملک کو اقوام عالم کی صف میں ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ اسی طرح دیار پورب میں جو قدیم زمانہ سے علم وفن کا مرکز اور علماء وفضلاء کا مخزن رہا ہے اس کی علمی تاریخ مدون کرنے کی باضابطہ اور منظّم کوشش ابھی تک نہیں کی گئی تھی۔ قاضی صاحب نے وقت کے اس اہم تقاضے کو محسوس کیا اور اس مردم خیز خطہ کے متعدد علمی ادوار قائم کر کے رسالہ معارف میں ایک طویل سلسلہ مضمون شائع کیا۔ مزید برآں خاص طور پر مبارکپور کے علماء وفضلاء کے سوانح وکمالات کا ایک ضخیم تذکرہ مرتب کیا جو اس موضوع پر ایک قیمتی مستند مآخذ بن گیا ہے۔(۱)

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری نمبر۔ ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ (ص ۳۰۴)

باب سوم

ادبی خدمات

قاضی صاحب اپنی طالبِ علمی کے زمانے ہی سے مضمون نگاری کرنے لگے تھے۔اس دور میں ان کے مضامین دینی ومذہبی رسالوں میں چھپنے لگے تھے۔

قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ’’قلم پکڑنے اور کچھ نہ کچھ لکھنے کا شعور اردو تعلیم کے زمانہ ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔عربی شروع کی تو اس کا شوق زیادہ ہو گیا اسی زمانہ میں رسالہ ’’مومن‘‘ بدایوں کے اڈیٹر مولوی محمود الحسن صاحب توسیع اشاعت کے لیے مبارک پور آئے ہوئے تھے میں ان سے برابر ملتا رہا۔انہوں نے میرے شوق کو دیکھ کر کہا کہ تم مضمون لکھو میں شائع کروں گا‘‘ (۱)،اس سے پہلے اخبار الجمعیۃ دہلی میں ’’واردھا کی خطرناک تعلیمی اسکیم‘‘ کے عنوان سے قاضی صاحب کا ایک مختصر مضمون چھپا۔پھر ۱۳۵۳ھ میں رسالہ ’’مومن‘‘ بدایوں میں ایک مضمون ’’مساوات‘‘ کے زیر عنوان اشاعت پزیر ہوا۔پھر اسی رسالہ میں ’’رہا دین باقی نہ اسلام باقی‘‘ کے عنوان سے دو صفحے کا دوسرا مضمون چھپا۔اسی زمانہ میں ہفتہ وار ’’العدل‘‘ گوجرانوالہ (پنجاب) میں قاضی صاحب کا ایک مضمون ’’بلاکشانِ اسلام‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا۔اس طرح قاضی صاحب اپنی طالب علمی ہی میں اچھے خاصے مضمون نگار کی حیثیت سے نام کما چکے تھے۔

قاضی صاحب نے قدیم اساتذہ سے قدیم طرزِ کی مکمل تعلیم احیاء العلوم میں پائی تھی۔جن میں کوئی مدرس تصنیف و تالیف ،مضمون نویسی و نظم نگاری کے میدان میں چند قدم بھی نہیں چلنے

---

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری، قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک۔دائرہ ملیہ مبارک پور ۱۹۸۷ء (ص:۳۹)

والا تھا۔ اس لیے کسی سے انہیں کوئی رہنمائی نہیں ملی۔قاضی صاحب اپنی مضمون نویسی کے بارے میں رقم طراز ہیں، ''مضمون نویسی کے بارے میں صرف میرا ذوق رہنما ہوا اور خود اعتمادی نے ہمت افزائی کی۔معلومات کی فراہمی، ان کی ترتیب اور اسلوب نگارش وغیرہ میں کسی کی رہنمائی نہ ہوسکی۔اس لیے ایک مضمون کوئی مرتبہ لکھتا اور پھاڑ دیتا اور کافی محنت کرنے کے بعد میرے ذوق کے مطابق ہوتا(۱)۔

قاضی صاحب ایک مؤرخ تھے تاریخ اسلام ان کا خاص موضوع تھا اور دنیا انہیں اسی حیثیت سے جانتی پہچانتی تھی۔انہوں نے کتابوں کی کتنی ورق گردانی کی، کتنا پڑھا اور مطالعہ کیا۔ کتابوں کا مطالعہ آسان ہے مگر کسی خاص موضوع وعنوان کے لیے مفید موضوع، مواد کا مہیا کرنا ہر شخص کا کام نہیں، اس کے لیے فکر سلیم، نگاہ عمیق اور وجدان صحیح درکار ہے۔رطب ویابس کو جمع کر دینا بہت سہل ہے، یہ کام ہر آدمی کرسکتا ہے لیکن کتابوں سے کارآمد مواد کا انتخاب واقتباس دشوار کام ہے۔دریا اور تالاب سے پانی ہر شخص لے سکتا ہے لیکن پانی کی ایک ایک بوند کو مقطر کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں اس کے لیے فن کارانہ مہارت کی ضرورت ہے(۲)۔

قاضی صاحب نے اپنی پوری زندگی تصنیف وتالیف علمی ودینی خدمات اور ملی وقومی کاموں میں بسر کی قاضی صاحب محدث، فقیہ، مفتی اور مصنف سب کچھ تھے۔ان کے مختلف الجہات علمی ودینی کارنامے خصوصاً تصنیفی وتالیفی خدمات ایک اکیڈمی کی کارکردگی کے برابر ہیں(۳)۔

قاضی صاحب کی یہی محنت اور جاں فشانی مضمون نگاری میں رنگ لائی۔وہ اپنے علم ومطالعہ کے سہارے آگے بڑھے اور مضامین وکتب لکھنے کے لائق ہوئے۔چوں کہ اس زمانہ میں مولانا سید محمد میاں مدرسہ شاہی جامعہ قاسمیہ مرادآباد سے رسالہ ''قائد'' نکالتے تھے۔انہوں نے

---

(۱) نفس المصدر(ص:۳۵-۳۶)

(۲) ماہنامہ ضیاءالاسلام قاضی اطہر مبارک پوری نمبر(ص:۲۲۰)

(۳) ماہنامہ ندائے شاہی۔مرادآباد نومبر دسمبر ۱۹۹۹ء(ص:۴۴۶)

قاضی صاحب کے مضامین نظم ونثر کو اپنے رسالہ میں جگہ دی اور انہیں علمی دنیا میں متعارف کرایا۔اس لیے قاضی صاحب کے لکھنے پڑھنے کا شوق مسلسل ترقی کرتا گیا۔اسی حقیقت کو یاد رکھتے ہوئے قاضی اطہر مبارک پوری نے مولانا سید محمد میاں کا اعتراف احسان لفظوں میں کیا ہے،واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم اس سلسلے میں میرے اولین محسن اور مربی ہیں۔اگر ان کی توجہ نہ ہوتی اور رسالہ قائد میں مضامین شائع نہ ہوتے تو شاید میں تصنیف وتالیف کے لائق نہ ہوتا اور میری جولانی طبع نامساعد حالات کی نذر ہوگئی ہوتی"(۱)۔۱۵؍جون ۱۹۵۰ء کو روزنامہ ''جمہوریت'' بمبئی کا اجراء ہوا اور مولانا حامد الانصاری غازی اس کے مدیر اور قاضی اطہر مبارک پوری اس کے نائب مدیر ہوئے۔قاضی صاحب تقریباً پورا رسالہ مرتب کرتے تھے اور اس کے مشمولات کو وقیع بنانے کے لیے محنت سے مضامین لکھتے تھے،جس کی وجہ سے ''جمہوریت'' کو علمی حلقوں میں اعتبار ووقار نصیب ہوا۔مگر قاضی صاحب کا نام ہمیشہ پردۂ خفا میں رہتا تھا۔اس کے بارے میں قاضی صاحب کا بیان ہے کہ میں چار چار پانچ پانچ کالم میں علمی،تاریخی،دینی اور سیاسی مضامین لکھنے کے ساتھ اکثر وبیشتر طول طویل مضامین بھی لکھتا تھا۔مگر میرا نام کہیں نہیں آتا تھا۔

مولانا حامد الانصاری غازی مجھے اخلاص سے دینی خدمت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔نام ونمود اور ریا سے منع کرتے تھے۔کہتے تھے کہ بنیاد کا پتھر نیچے ہوتا ہے آپ بنیاد کے پتھر ہیں اگر میں اپنا نام اوپر یا نیچے لکھتا تو قلم زد کردیتے تھے اور میں سمجھتا تھا کہ عمارت جس قدر بلند وبالا ہوتی جائے گی بنیاد کا پتھر اتنا ہی زیر زمین ہوتا جائے گا"(۲)۔

قیام لاہور نے ان کی علمی وفکری اور ادبی وشعری سمت وجہت کو ایسا متعین کیا کہ قاضی صاحب پھر کبھی اس سے انحراف نہیں کرسکے وہ پوری عمر اسی سمت میں اپنے علمی سفر کو آگے بڑھاتے رہے اور ترقی کے مرحلے طے کرتے رہے۔قاضی صاحب نے بمبئی میں جاکر جو ہمہ گیر حیثیت

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری،قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک۔دائرہ ملیہ مبارک پور(ص:۳۷)

(۲) کاروان حیات۔مشمولہ قاضی اطہر مبارک پوری،نمبر۔ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ(ص:۹۰)

وشہرت حاصل کی اس کی بنیاد لاہور میں پڑ چکی تھی۔ لاہور قاضی صاحب کے خوابوں کا شہر تھا۔ اس شہر اور اس کی علمی وادبی فضا کے بارے میں قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ''لاہور علم وادب کا مرکز تھا۔ ادباء وشعراء اور مصنفوں اور صحافیوں کی چہل پہل تھی۔ معمولی قسم کے شاعر وادیب ہوٹلوں میں شعروشاعری اور چائے نوشی کیا کرتے تھے جہاں چار ادیب وشاعر بیٹھے کوئی نہ کوئی ادبی پروگرام بن گیا اور فوراً اس پر عمل بھی ہونے لگا مصنف تیار کاتب تیار اور کام چالو۔ مصنف روزانہ لکھ کر کاتب کو دیتا اور دوسرے دن پھر یہی ہوتا اور ماہ دو ماہ میں کتاب مارکیٹ میں آجاتی۔ نئے نئے موضوعات سوچ کر نکالے جاتے تھے۔ منشی عبدالرحیم صاحب نے ایک موضوع یہ رکھا کہ لاہور میں جتنے قبرستان ہیں ان کے کتبات نقل کر کے ایک بہترین معلوماتی کتاب تیار ہوسکتی ہے''(۱)۔

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے لاہور میں جو کتابیں لکھیں یا دوسروں کے کہنے پر کوئی کتاب لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو اس سے ان کے علمی تجربات میں اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ انہوں نے نئے نئے موضوعات پر مسودے کی صورت میں معلومات جمع کیں اور بعد کی تصنیفی زندگی میں ان سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ قاضی صاحب نے جن موضوعات کو عنوان بنا کر معلومات جمع کیں اور بعد میں ان سے ان کی کئی کتابوں کو وجود اور پیرہن ملا ان کی تفصیل یوں ہے۔

۱- **طبقات الحجاج:** ۱۹۵ صفحات کی کتاب ہے جس کو انجمن ''خدام النبی''، بمبئی نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے ماہنامہ ''البلاغ''، بمبئی میں شعبان ۱۳۷۵ھ کے شمارے سے ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا۔ جس میں محدثین وعلماء کے حج کے تعلق سے عبرت آموز اور سبق آموز واقعات کو اپنا موضوعِ تحقیق بنایا اور ایسی ایسی نادِر معلومات درج کیں۔ جس سے جذبہ دینی کو تحریک وتحریص نصیب ہوتی ہے۔ اس سلسلۂ مضامین کے آغاز کا شوق حافظ ابن حجر کی کتاب ''الدرر الکامنة فی اعیان المائة الثامنه'' کے مطالعہ کے بعد قاضی صاحب کے

---

(۱) نفس المصدر (ص:۷۵)

دماغ میں پیدا ہوا۔

۲- **اسلامی شادی:** یہ بھی قاضی صاحب کا ایک مختصر رسالہ ہے جس کی ضخامت ۵۷ صفحات کو محیط ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن بھی نکل چکے ہیں۔ آخری طباعت ۲۰۰۵ میں فرید بک ڈپوئی دہلی کے اہتمام سے ہوئی ہے۔ یہ رسالہ عام مسلمانوں کو اسلامی نظام معاشرت سے آگاہ کرتا ہے۔

۳- **علمائے اسلام کے القاب وخطابات تاریخ کی روشنی میں:** یہ مضمون سب سے پہلے ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی کے شعبان ۱۳۷۴ھ اپریل ۱۹۵۵ء کے شمارہ میں ۲۲ صفحات پر مشتمل مطبوع ہوا۔ بعد میں اس کو رسالہ کی صورت میں عام لوگوں کے استفادہ کے لیے زیور طبع سے آراستہ کیا گیا۔ اس میں اہلِ علم وفضل کے لیے استعمال کیے جانے والے القاب وخطابات جیسے عالم، مقری، قاری، علامہ، منشی، معلم، مکتب، مودب استاذ، ملا، مولوی، مولانا اور اس طرح کے پچاسوں مرکب اور مفرد القاب وخطابات پر لغوی، لسانی اور تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور حدیث وسیر، تاریخ وتذکرہ کی مدد سے دلچسپ انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ رسالہ بھی بہت مفید اور معلومات افزا ہے۔ اس کا نیا ایڈیشن حال ہی میں اگست ۲۰۰۴ء فرید بک ڈپوئی دہلی نے شائع کیا ہے، جس کے ۴۸ صفحے ہیں۔

۴- **بناتِ اسلام کی علمی ودینی خدمات:** ۹۶ صفحے کے بڑے سائز کا رسالہ ہے، جس کو بمبئی کے مشہور مکتبہ شرف الدین الکتبی والادہٗ نے شائع کیا۔ بعد میں دائرہ ملیہ مبارک پور کی طرف سے بھی اشاعت پزیر ہوا۔ اس میں خواتین اسلام کی خدماتِ دینی کا بیان ہے۔

۵- **خواتینِ اسلام کی علمی ودینی خدمات:** ۱۸۰ صفحے پر مشتمل ہے یہ کتاب بناتِ اسلام کی علمی ودینی خدمات کا اضافہ وترمیم شدہ ایڈیشن ہے۔ اس کتاب میں حدیث وسیر تراجم وتاریخ طبقات ورِجال کے پھیلے ہوئے ذخیرے سے قرنِ اول ہی میں خواتینِ اسلام کی علمی ودینی اور تعلیمی وتہذیبی سرگرمیوں کا احاطہ کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جہاں مسلمان مردوں نے

حدیث وفقہ اور علوم ومعارفِ اسلامیہ کی خدمات انجام دی ہیں وہیں گھروں کی پردہ نشیں خواتینِ اسلام نے بھی حدیث وفقہ کی تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھانے میں اپنی خدمات پیش کی ہیں اور تاریخِ اسلام میں محدثات، فقیہات، مفتیات، عابدات، زاہدات، صوفیات، مقریات، قرآیات کا سلسلۃ الذہب بھی ملتا ہے اس کتاب کی ناشر شیخ الہند اکیڈمی دیوبند ہے۔ یہ آخری کتاب ہے جو قاضی صاحب کی کتابِ زندگی کا باب بند ہونے سے چند روز پہلے جون ۱۹۹۶ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔

۶- **اسلام میں قربانی کی حقیقت اور صفاتِ مومن**: اس کتاب کا نام ہی اپنا موضوع بتا رہا ہے قاضی صاحب کے ہمہ جہتی مطالعہ کی غماز یہ کتاب ہے اور اس حقیقت کی شاہد بھی کہ قاضی صاحب بہت وسیع النظر اور وسیع الموضوعات قلم کے مالک تھے۔ انہوں نے دین ودانش کے تقریباً ہر موضوع کو سرسبز کیا اور اس میں اپنی تاریخی بصیرت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، یہ ابھی غیر مطبوعہ شکل میں ہے۔

۷- **دعاءِ ماثورہ**: اس مختصر رسالہ میں دعاء ماثورہ کا بیان ہے اور ماثورہ ادعیہ درج ہیں یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۸- **قاضی اطہر مبارک پوری کے سفر نامے**: یہ ۲۰۰۵ء میں قاضی اطہر اکیڈمی لکھنؤ سے اشاعت پزیر ہوئی۔ اس میں وہ سفر نامے ہیں جو وقتاً فوقتاً ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی میں اشاعت کے مرحلوں سے گزرتے رہے۔ اس کتاب میں قاضی صاحب کی جزئیات نگاری، تعلیم وتعلم سے ازلی دلچسپی اور ان کی وسعتِ نظری کا جابجا اظہار ملتا ہے۔ اس کتاب کے بعض مقامات تاریخی وجغرافیائی اور تہذیبی وسماجی اعتبار سے بہت معلومات افزا اور بصیرت افروز ہیں۔ یہ اپنے دور کا طربیہ بھی ہیں اور اپنے زمانے کا مرثیہ بھی۔

۹- **قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک**: یہ قاضی صاحب کی طالب علمی کے واقعات وحالات پر مشتمل ایک ۴۸ صفحے کا رسالہ ہے۔ جو ۱۹۸۷ء میں پہلی بار دائرہ ملیہ مبارک پور سے مطبوع ہوا۔ بعد میں اس کے دوسرے مقامات سے بھی نئے ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ قاضی صاحب نے اس رسالے میں اپنے حالاتِ زندگی خودنوشت کے طرز میں لکھے ہیں اس کتاب سے طالب علموں کے اندر حصول علم کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ کتاب کے بعض مندرجات اپنے دور و دیار کا مرقع بھی بن گئے ہیں اور بعض تحریکوں، اداروں، سرگرمیوں، اشخاص اور اہلِ علم کا البم بھی ہو گئے ہیں، ان سے بعض بڑی نادر معلومات حاصل ہوتی ہیں، جن سے قاضی صاحب کی ذہنی ساخت کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ قاضی صاحب نے مکتبہ صوت القرآن دیو بند کے ۱۴۱۴ھ کے ایڈیشن میں ''فراغت کے بعد کا علمی سلسلۂ حیات'' کے عنوان سے تکملۂ کتاب کے طور پر اضافہ فرمایا ہے، جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب کی غرض و غایت کے سلسلے میں قاضی صاحب رقم طراز ہیں، ''خود اعتمادی اور خود سازی کی یہ طویل داستان ان عزیز طلبہ کی تشجیع وتشویق اور ہمت افزائی کے لیے لکھی گئی ہے جو بہترین ذہن و دماغ لے کر دار العلوموں اور جامعات کی لق ودق اور شاندار عمارتوں میں جاتے ہیں تا کہ وہاں بہترین تعلیمی و تربیتی نظام کے ماتحت لائق وفائق اساتذہ کی توجہ سے علم حاصل کریں۔ مگر عام طور سے ان کو اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے ساتھ اپنی بدنامی اور نالائقی کی سند ملتی ہے۔ ایسے طالب علموں کو ہم جیسے چھوٹے مدرسوں کے طلبہ سے سبق لے کر اپنے بلند مقاصد میں کامیابی کی جد وجہد کرنی چاہئے''۔(۱)

۱۰- **تدوین سیر ومغازی**: یہ کتاب ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اپنے موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو علم وتحقیق کا شاہکار ہے۔ اس کی اشاعت شیخ الہند اکیڈمی دیو بند کی طرف سے ۱۹۹۰ء میں عمل میں آئی۔ اس کتاب کو قاضی صاحب کی آٹھ سالہ تحقیق وتسوید کے نتیجے میں پیراہنِ وجود ملا۔ اس کی تیاری میں قاضی صاحب نے بنیادی مراجع و ماخذ سے مدد لی۔ انہوں نے ثانوی یا کم

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، مئے طہور (ص ۱۰۱)

درجے کے مراجع ومصادر پر قناعت نہیں کی۔قاضی صاحب نے اس کی تصنیف وتالیف میں اپنے پیشروؤں کی معلومات پر مفید اضافے کیے ہیں۔اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں اور ہر باب کا حق انہوں نے اپنی محنت شاقہ سے ادا کیا۔جس نے اس کو خاصے کی چیز بنادیا۔۲۰۰۴ء میں فرید بک ڈپوئی دہلی کے اشاعتی سلسلے میں شامل ہوکر منظرِ عام پر آئی ہے اس کے علاوہ اس کا ایک ایڈیشن فضلی بک کراچی پاکستان سے ۳۴۴صفحات میں شائع ہوا۔

۱۱- **خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظامِ تعلیم وتربیت:** ۳۹۲صفحات کی یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کی اشاعتی سرگرمیوں کی ایک اہم کڑی ہے۔جس کی اشاعت ۱۹۹۵ء میں ہوئی۔ قاضی صاحب نے ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی میں پہلے پہل اس موضوع پر اسلامی تعلیم کا مرکز دارِارقم اور مدارسِ اسلامیہ کے ارتقائی ادوار کے عنوان سے دو مضمون لکھے۔اس کے بعد ایک مختصر رسالہ ''تبلیغی وتعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں'' لکھا۔آخر عمر میں چل کر اس موضوع کو مزید وسعت دینے کی غرض سے یہ کتاب مرتب کی اور اس میں اپنے تاریخی وعلمی شعور کا ثبوت فراہم کیا۔قاضی صاحب اگر عربی زبان کے رمز شناس اور تاریخ وسیر اور احادیث وآثار کے ماہر نہ ہوتے تو یہ کتاب اتنے سلیقے سے مرتب نہ ہوتی اس کے مندرجات بہت معلومات افزا ہیں۔۲۰۰۴ء میں فرید بک ڈپوئی دہلی نے اس کا جدید ایڈیشن چھاپا ہے۔

۱۲- **مسلمانوں کے ہر طبقے اور ہر پیشے میں علم اور علماء:** ۲۲۸صفحات کی یہ کتاب قاضی صاحب کی وفات کے بعد شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے اشاعتی سلسلے میں شامل ہوکر مئی ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آئی۔یہ مضمون ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی کے تعلیمی نمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا قاضی صاحب نے اس کو بہت محنت سے تیار کیا تھا۔علمی وتحقیقی حلقوں میں اس کی پذیرائی بھی ہوئی تھی۔قاضی صاحب نے آخری عمر میں اس کو مزید وسعت دینے کے لیے قلم سنبھالا اور اس کو نہایت اچھے انداز میں مرتب کیا۔اس میں مختلف ذیلی عنوان جیسے چرواہوں میں علم۔کسانوں میں علم،کارخانہ داروں

میں میں علم، بار بردار مزدوروں میں علم، جوتا بنانے والوں میں علم اور اسی طرح مختلف پیشہ وطبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے اندر علم اور علماء کے پائے جانے کا ذکر کتب تاریخ کے حوالوں سے آیا ہے۔

اس کتاب سے مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی پسماندگی، کم ذوقی اور علمی تہی دامنی کو دور کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ احساس بھی اُبھرتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے زمانۂ عروج اور قرنِ اول میں تعلیم وتعلم، علم ودانش کے کتنے مینار بنائے تھے، جن میں نہ ذات پات کی کوئی تفریق تھی، نہ پیشہ وطبقہ کا کوئی امتیاز ملتا تھا، نہ کسی صنف وجنس کا کوئی مسئلہ درپیش تھا۔ مسلمانوں کی بزم سے رزم خلوت سے جلوت کوچہ سے بازار، گھر سے مسجد جہاں دیکھیے علم واصلاح کی محفلیں آباد ہیں۔ مردوں کے شانہ بہ شانہ عورتیں بھی تعلیم وتعلم کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ غرض کی مسلمانوں کا ہر طبقہ ہر زمرہ، ہر خاندان اور ہر گھر ذہن سازی وشخصیت زائی کی تحریک میں اپنی خدماتِ علمی پیش کررہا ہے۔ اس کی مثال دوسری زندہ سے زندہ قوموں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

۱۳۔ **کاروانِ حیات:** قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی طالب علمی کے حالاتِ زندگی "قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک" ۱۹۸۷ء میں مرتب کرکے دائرہ ملیہ مبارک پور سے پہلی بار شائع کرائے تو علمی حلقوں میں اس کو سراہا گیا اور بار بار اہلِ علم قاضی صاحب سے اس میں اضافہ کرکے فراغت کے بعد حالات وواقعاتِ زندگی لکھنے کی فرمائش وگزارش کرتے تھے۔ خود ان کے لڑکے قاضی ظفر مسعود بھی جو اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اپنی خواہش کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ بعد میں قاضی صاحب نے اس پر توجہ کی اور "کاروان حیات" کے نام سے اپنی سوانح کا دوسرا حصہ جو تعلیمی فراغت کے بعد کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے لکھ رہے تھے۔ ابھی یہ کتاب قیامِ بمبئی کے احوال تک قلم بند ہوئی تھی اور خاتمۃ الباب تک بھی نہیں آئی تھی کہ قاضی صاحب کی کتابِ زندگی بند ہوگئی اور اس طرح یہ کتاب سوانح ناتمام رہ گئی۔ پھر بھی قاضی صاحب

نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ بڑے کام کی چیز بن گئی ہے اور اس کو بہترین حوالے کی کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ یہ نامطبوع تھی، پہلی بار ماہنامہ ''ضیاء الاسلام'' شیخوپور ضلع اعظم گڑھ کے ''قاضی اطہر مبارک پوری نمبر ۲۰۰۳ء'' میں ص:۴۱ سے ص:۱۳۶ تک شاملِ اشاعت ہوئی۔ پھر فرید بک ڈپو نئی دہلی نے ''قاعدہ بغدادی'' اور ''کاروانِ حیات'' کو یکجا شائع کیا ہے جس کا سال اشاعت نومبر ۲۰۰۳ء ہے۔

۱۴- **مقالات قاضی اطہر**: یہ قاضی صاحب کے مضامین ومقالات کا تیسرا مجموعہ ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔

۱۵- **مسئلہ خلق قرآن کی سیاسی حیثیت**: اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

۱۶- **محمد ﷺ کے زمانہ کا ہندوستان مع ہندوستان صحابہ کے زمانہ میں**: یہ کتاب پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ جو درحقیقت ''عرب وہند عہد رسالت میں'' اور خلافت راشدہ اور ہندوستان'' کی تلخیص ہے۔ اس کتاب کو مکتبہ ارسلان بنوری ٹاؤن کراچی نے شائع کیا ہے۔ حالاں کہ اس نام میں وہ ادبیت وجاذبیت نہیں ہے جو ''عرب وہند عہد رسالت میں'' ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں یہ وبا عام ہے کہ قانونی تحفظ اور حقوق طباعت سے بچنے کے لیے مقبول عام کتابوں کے نام بدل کر ناشرین کتب اس کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۱۷- **مطالعات وتعلیقات**: قاضی صاحب کے ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی کا پہلا شمارہ شوال ۱۳۷۳ھ/جون ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ اس وقت اس کے مدیر مسئول محی الدین منیری تھے اور قاضی صاحب اس کے حلقۂ ادارت میں شامل تھے۔ مگر جلد ۲ شمارہ ۹ بابت جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ سے ان کا نام مدیر تحریر کی حیثیت سے آیا۔ شوال ۱۳۷۷ھ/مئی ۱۹۵۸ء سے ''البلاغ'' میں مطالعات وتعلیقات کے زیر عنوان قاضی صاحب کے علمی وتحقیقی مضامین شائع ہونا شروع ہوئے۔ یہ مضامین نسبتاً تفصیلی مدلل اور حوالہ جات سے مزین ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے اہلِ علم کی مجلسوں میں ان کو وقعت بھی حاصل ہوتی تھی۔ اس کے مرتب مولانا محمد یوسف صاحب ہیں جو ضلع سورت گجرات کے رہنے والے ہیں۔

۱۸- **الطبابۃ عند العرب:** (عربوں کا علم طب) اس موضوع پر قاضی صاحب نے اچھی خاصی معلومات جمع کرلی تھیں اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ان کا ارادہ تھا مگر کثرتِ کار کے ہجوم میں اس موضوع پر کام آگے نہیں بڑھ سکا۔ قاضی صاحب نے بہت بعد میں ''نذرِ حمید'' (حکیم عبدالحمید دہلوی مالک ہمدرد دواخانہ دہلی) کے لیے اردو کے مشہور محقق اور ماہر غالبیات مالک رام کی فرمائش پر ''عرب و ہند کے طبی تعلقات'' کے عنوان سے ایک مضمون سپردِ قلم فرمایا۔ یہ مقالہ ''نذر حمید'' میں صفحہ ۴۳۹ سے ۴۵۱ تک پھیلا ہوا ہے۔

۱۹- **کتب اور کتب خانے:** اس عنوان سے بھی قاضی صاحب نے مختلف کتابوں سے اہم معلومات اکٹھا کی تھیں۔ اس موضوع پر بھی وہ لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اگر انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہوتا تو اس کا حق ادا ہو گیا ہوتا اور کوئی اہم تحقیقی کتاب تیار ہو گئی ہوتی۔

۲۰- **حیات امام احمد بن حنبل:** اس موضوع پر قاضی صاحب کی تلاش و تحقیق نے بہت کچھ جمع کر لیا تھا، انہوں نے لکھا ہے کہ ''تاریخ ابن عساکر'' اور ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' سے انہوں نے کافی مواد حاصل کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ لاہور کی میونسپل لائبریری سے بھی امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں تقریباً پوری کتاب جو جرمن یا انگریزی یا فرنچ میں لکھے گئے حاشیہ سے مزین تھی، نقل کر لی تھی۔ قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ''ائمہ اربعہ'' کی تصنیف میں اس مسودے سے بڑی رہنمائی حاصل ہوئی۔

۲۱- **حیاتِ لیث بن سعد:** اس موضوع پر حافظ ابن حجر کی کتاب ''الرحمۃ الغیثۃ فی ترجمۃ اللیثیہ'' ان کا خاص ماخذ قرار پائی۔ اور وہ ۳/مارچ ۱۹۴۷ء کو اس دور میں اس امامِ جلیل پر تذکرہ مرتب کر رہے تھے، جب لاہور فرقہ وارانہ فساد کی آگ میں جل رہا تھا اور گولیوں کے چلنے کی آوازیں قاضی صاحب کے کمرے میں بھی آرہی تھیں۔

۲۲- **اقوالِ حکماء:** اس موضوع پر قاضی صاحب نے قرآن و حدیث، ائمہ دینِ متین، حکماء،

سلاطین اورادباء کے اقوال جمع کیے۔قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ خاصے کی چیز بن گئی تھی (۱)۔

اسی طرح قاضی صاحب لاہور چھوڑنے کے بعد بہرائچ آئے اوراخبار الانصار سے وابستہ ہوگئے تو ''تذکرہ مشاہیر اعظم گڑھ ومبارک پور'' کے عنوان سے جمادی الاول ۱۳۶۷ھ میں کتاب لکھنے کی ابتداء کی اور کافی ضخیم سرمایہ فراہم ہوگیا تھا۔جو بعد میں جون ۱۹۷۴ء ''تذکرہ علمائے مبارک پور'' کے نام سے مرتب ہوکر اشاعت پزیر ہوا۔قاضی صاحب جب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گئے تو وہاں ''رجال السندوالہند'' کے لیے معلومات جمع کرنے لگے بہت بعد میں اسی مسودہ سے اپنی اہم کتاب ''رجال السند والہند'' مرتب کرکے شائع کی۔

ان کے اس دور کے قلمی آثار میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

۲۳- **''خیرالزدفی شرح بانت سعاد''** طالب علمی کے زمانے میں ان کی تصنیفی کوششوں کا نقشِ اولیں ''خیرالزدفی شرح بانت سعاد'' (عربی) ہے جو بڑے سائز کے بیس صفحات پر محیط ہے اور حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ کے مشہور قصیدہ بانت سعاد کی شرح ہے۔یہ شرح قاضی نے شوال ۱۳۵۵ھ میں عربی میں لکھی تھی۔اس کے تین صفحے کے مقدمہ میں حضرت کعب بن زُہیر کے حالات،قصیدہ کا واقعہ اوراس قصیدہ کی تقطیع ہے۔

۲۴- **مرآۃ العلم**: مرآۃ العلم (عربی) ہے جو متوسط سائز کے ۵۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس میں ''فہرست ابن ندیم'' ''وفیات الاعیان'' اور تذکرۃ الحفاظ'' سے ائمہ علم وفن اور علمائے سلف کے واقعات مختلف عنوانات پر جمع کیے گئے ہیں،اس کتاب کے آخر کے ۶ رصفحات میں علم وعلماء کے متعلق اشعار درج ہیں۔

1-7302

۲۵- **ائمہ اربعہ تقریباً**: سواسو صفحات پر مشتمل ''ائمہ اربعہ'' ہے۔قاضی صاحب نے رسالہ ''قائد'' مرادآباد میں ''ائمہ اربعہ'' کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا تھا۔جس میں ''ائمہ اربعہ'' کے حالاتِ زندگی ''وفیات الاعیان'' ''تذکرۃ الحفاظ'' ''فہرست ابن ندیم'' اور ''تہذیب التہذیب''

(ص ۵۷)

(۱) کاروانِ حیات مشمولہ قاضی اطہر مبارکپوری، نمبر- ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ

وغیرہ سے جمع کیے گئے تھے۔ قیامِ لاہور کے زمانے میں مرکز تنظیم اہلِ سنت کے اہتمام میں شائع کرنے کے لیے کتابت ہوئی ۱۹۴۷ء تقسیم ملک کے بحرانی دور میں قاضی صاحب نے تصحیح کر کے کتابت روانہ کردی مگر اس کو شائع ہونے کی عزت نہیں ملی۔ اس کا مسودہ قاضی صاحب کے پاس تھا بمبئی جانے کے بعد قاضی صاحب نے اس مسودہ کو سلطانی پریس بھیونڈی بازار بمبئی کو چھاپنے کے لیے دیا تھا۔ اس کے مالک سلطان احمد مشرقی پاکستان چلے گئے اور یہ بھی نہیں چھپ سکا تھا۔ بعد میں قاضی صاحب نے دوسری کتاب اسی نام سے مرتب کر کے اس کی تلافی کردی۔ اس کو ۱۹۸۹ء میں شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے دوسو پچپن صفحات میں شائع کیا ہے۔

۲۶- **الصالحات کے نام سے مرتب کی گئی**: جس میں اہم عربی کتابوں سے صحابیات رضی اللہ عنہم جمعاء کے سبق آموز واقعات جمع کیے گئے تھے۔ لیکن یہ کتاب بھی تشنہ اشاعت رہ گئی بعد میں یہی کتاب انصار ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر اکیڈمی مبارک پوری کی طرف سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

۲۷- **اصحاب صفہ**: کتاب کا نام ''اصحابِ صفہ تھا جو منظوم تھی اور اس میں سوا دوسو اشعار شامل تھے۔ ''شاہ نامۂ اسلام'' کے طرز پر یہ نظم لکھی گئی تھی اور اس کا انداز نہایت عقیدت مندانہ اور والہانہ تھا یہ بھی مطبوعہ نہیں ہوسکی اور ضائع ہوگئی۔

۲۸- **منتخب التفاسیر**: قاضی صاحب نے اپنے قیامِ لاہور کے زمانہ میں ''منتخب التفاسیر'' کے نام سے جنوری ۱۹۴۵ء میں ایک کتاب لکھنا شروع کی جس میں ہندوستان کے اہم اُردو مفسرین کی تفسیروں کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا۔ یہ کتاب ۱۵ر جنوری ۱۹۴۵ء سے یکم جون ۱۹۴۶ء کی مدت میں پوری ہوگئی، یہ بڑے سائز کے نوسو صفحات میں تھی۔ ساڑھے تیرہ پارہ کی کتابت بھی ہوچکی تھی کہ ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ شروع ہوگیا اور قاضی صاحب لاہور چھوڑ کر وطن واپس آگئے اور پھر اس کی اشاعت وطباعت نہیں ہوسکی۔ اسی کتاب کی تدوین کے وقت مولانا ابوالکلام آزاد سے قاضی اطہر مبارک پوری کی ملاقات لاہور میں ہوئی تھی۔ اور انہوں نے ''منتخب التفاسیر'' پر قاضی صاحب

کو دعاؤں سے نوازا تھا۔(۱)

۲۹- **افاداتِ امام احمد بن حنبل**: امام احمد بن حنبل پر اُردو میں بہت کم کام ہوا ہے۔قاضی صاحب کو اس کا زبردست احساس تھا۔اس لیے قاضی صاحب کی ایک کتاب "افاداتِ امام احمد بن حنبل" کے نام سے معرضِ وجود میں آئی۔جس کی کتابت بھی بمبئی میں ہو چکی تھی، مگر وہ شائع نہیں ہوسکی یہ کتاب آج بھی غیر مطبوعہ ہے۔

۳۰- **علمائے اسلام کی خونیں داستانیں**: قیام لاہور کے زمانہ میں مرحوم احسان دانش کے اصرار پر انہیں کے مکتبہ دانش گاہِ پنجاب مزنگ لاہور سے شائع کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔جس میں پہلی صدی ہجری سے موجودہ دور تک کی اسلامی تحریکوں اور فتنوں میں علمائے اسلام پر ہونے والے مظالم کا ذکر تھا۔قاضی صاحب نے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے مرتب کیا تھا۔اور احسان صاحب نے بھی اہتمام سے اس کی عبارت کی نوک پلک درست کی تھی۔یہ کتاب بہت ضخیم تھی اور تقریباً ساڑھے چار سو صفحات تک اس کی کتابت ہو چکی تھی۔مگر تقسیم ملک کے ہنگاموں کی وجہ سے یہ کتاب بھی شائع نہیں ہوسکی۔

۳۱- **اسلامی نظام زندگی**: یہ قاضی صاحب کی پہلی ایسی تصنیف ہے جو اشاعت پذیر ہوئی۔ قاضی صاحب نے روزنامہ "زمزم" لاہور کی نائب اڈیٹری کے زمانے میں جو دینی و اصلاحی مضامین لکھے تھے۔ان کے تراشے ان کے پاس محفوظ تھے۔انہیں کی مدد سے اس کتاب کی ترتیب عمل میں آئی جو ۱۹۴۹ء میں بمبئی سے شائع ہوئی۔اس پر مولانا سید محمد میاں کا مقدمہ بھی ہے۔اس کی تاریخ تقدیم ۱۶؍دسمبر ۱۹۴۹ء ہے یہ کتاب دو ہزار کی تعداد میں سلطانی پریس بمبئی سے ۱۹۵۰ء میں چھپی تھی اور حاجی عبداللہ صاحب نے اپنی مرحومہ بیوی کے ایصال ثواب کے لیے اس کو مفت تقسیم کیا تھا۔اس کی مانگ پورے ہندوستان میں ہوئی۔اس کتاب کے جیبی سائز کے ۲۵۶ صفحات

---

(۱) قاضی اطہر مبارکپوری، مۓ طہور (ص ۸۵)

ہیں طبع ثانی گجرات سے ہوئی ہے لاہور سے آنے کے بعد جو کتابیں یا رسالے معرض وجود میں آئے وہ یہ ہیں۔

۳۲- افاداتِ حسن بصری: ۱۹۵۰ء میں افاداتِ حسن بصری کے نام سے ۵۶ صفحے کا رسالہ دائرہ ملیہ مبارک پور کی طرف سے شائع ہوا۔ قاضی صاحب نے یہ رسالہ احیاء العلوم کی عارضی مدرسی کے دور میں تحریر فرمایا تھا۔ اس رسالہ کی افادیت کو دیکھتے ہوئے مارچ ۲۰۰۵ء میں فرید بک ڈپوئی دہلی نے اس کی اشاعت کی ہے۔ اس کے صفحات ۷۰ ہیں۔ اس میں حسن بصریؒ کے ارشادات، مختصر سوانح، ان کے مواعظ، نصائح خطبات، مکاتیب اور زریں اقوال وکلمات تحقیق کے بعد جمع کیے گیے ہیں۔ جو دورِ حاضر کے مسلمانوں کی دینی، سیاسی تمدنی، قومی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے مینارۂ ہدایت ہیں۔ موجودہ زمانے میں انسانوں کو ان کی سخت ضرورت ہے۔

۳۳- مسلمان: ۶۴ صفحے کا رسالہ ہے جس کو دسمبر ۱۹۵۲ء/ ۱۳۷۲ھ میں جمعیۃ المسلمین جنجیرہ نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ یہ رسالہ عام مسلمانوں کی بیداری اور دینی زندگی کے لیے لکھا گیا ہے اس رسالہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی پانچ اشاعتیں ہو چکی ہیں۔ پہلی بار جمعیۃ المسلمین جنجیرہ نے ۱۹۵۲ء میں دوسری مرتبہ ساجد لکھنوی نے، پھر قاضی اطہر مبارک پوری نے انجمن اسلام ہائی اسکول کے طلباء کے لیے اپنی معلّمی کے زمانے میں چھاپا اور اس کے بعد مدرسہ دینہ غازی پور ، ویلفیر اکیڈمی مبارک پور اور جمعتہ العلمائے ہند دہلی نے مشترکہ طور پر چھاپ کر شائع کیا۔ اس کو ۲۰۰۴ء میں اہتمام سے فرید بک ڈپوئی دہلی نے بھی شائع کیا۔

۳۴- معارف القرآن: جواہر القرآن کے عنوان سے قاضی صاحب مستقل تفسیری کالم روز نامہ ''انقلاب'' بمبئی میں لکھتے تھے۔ انہیں کے انتخاب سے ۱۲۵ صفحے میں معارف القرآن کے نام سے ۱۹۵۶ء/ ۱۳۷۶ھ میں شائع کی گئی۔ تمام مضامین کا تعلق قرآن پاک کی کسی نہ کسی آیت سے ہے۔ توحید رسالت۔ کتاب اللہ اور دینی زندگی اس کے اہم عنوانات ہیں قاضی صاحب قرآن کی تفسیر

میں اپنی ہم عصر دنیا کے حالات وکوائف پر بھی نظر ڈالتے ہوئے گزرتے تھے۔

۳۵- رجال السند والہند (عربی): یہ قاضی صاحب کی اہم کتاب ہے۔ جس میں ہندوپاک کے ان کاملین فن کا تذکرہ ہے، جو اسلام کی روشنی لے کر تاجر۔ مبلغ، یا غازی بن کر ہندوستان آئے۔ یا جن کا تعلق سندھ کے علاقہ سے تھا۔ یہ تذکرہ ساتویں صدی ہجری تک کے ارباب علم پر مشتمل ہے اس کتاب کا آغاز مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل کی مدرسی کے زمانے میں ہوگیا تھا۔

رجال وطبقات، حدیث وجغرافیہ لغات وادب اور تاریخ وسیر کی اہم اور بنیادی کتابوں کے حوالوں سے اس کتاب کو اعتبار ووقار دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مطبع حجازیہ بمبئی سے جون ۱۹۵۸ء/ ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ میں احمد غریب، ان کے برادران اور دوسرے لوگوں کی توجہ سے شائع ہوئی ۔ دوسرا ایڈیشن دارالانصار قاہرہ سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب اسلامی ہند کے قرنِ اول کے علمی ودینی تہذیبی ولسانی اور سماجی وتاریخی پس منظر کو واضح کرتی ہے۔ کیوں کہ اس کتاب میں علماء فقہاء محدثین راویانِ حدیث قاضی، حکام، مشائخ وصوفیاء، سربرآوردہ اہلِ علم، شعراء، ادباء، نحو ولغت کے ماہرین فلاسفہ، اطباء، متکلمین، تاجر اور اہلِ اسلام کے مختلف فرقے اور عقائد ونظریات سے تعلق رکھنے والے حضرات کا تذکرہ نہایت دقت نظر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس سے علمی وادبی اور تہذیبی اعتبار سے عالمِ اسلام میں ہندوسندھ کے رجالِ علمی کے مقام ومرتبہ کا تعین ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ مشہور مقامات وامصار کا تفصیلی تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ جغرافیائی وتمدنی پس منظر بھی واضح ہوسکے اس کتاب میں اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے، جن کی پیدائش ہندوسند میں ہوئی، خواہ ان کی وفات کہیں بھی ہوئی ہو اور اُن لوگوں بھی احوال وکوائف بیان کیے گئے ہیں، جن کے آباء واجداد اصلاً ہندی یا سندھی نژاد تھے لیکن دوسرے ممالک میں ترکِ سکونت اختیار کرچکے تھے۔ اور وہ اہلِ تذکرہ وہیں پیدا ہوئے۔ ان لوگوں کے بارے میں تفصیلی ذکر کسی ایک کتاب میں کہیں نظر نہیں آتا۔ قاضی صاحب نے ان تاریخ دانوں کو مختلف ذخیروں سے علیحدہ

کر کے اس طرح ترتیب دیا کہ وہ ایک نادر اور معلوماتی تذکرہ کی شکل میں اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اس میں صاحب ترجمہ کے سالِ وفات کا تعین مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے۔ کتاب میں اگر کسی قبیلہ، خاندان۔ نسل یا قوم کا ذکر آیا ہے اور وہ معروف نہیں ہے یا کسی خاص اہمیت کا حامل ہے تو قاضی صاحب نے مفصل اور تشفی بخش انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کا دوسرا کامل و مکمل ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں ''دارالانصار'' قاہرہ سے ۵۸۸ صفحات میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں اسلامی دور سے پہلے کے حکماء وفلاسفہ اور اطباء وحکام کے تذکرے حذف کر دیے گئے ہیں اور بعض کے تراجم واحوال میں کمی وبیشی کی گئی ہے اور ۵۷ سے زائد اربابِ علم وفضل کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس ایڈیشن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اُن لوگوں کا بھی تذکرہ شامل کر لیا گیا ہے۔ جن کی اصلیت وپیدائش تو ہندوسندھ کے علاوہ کسی اور ملک کی ہے۔ مگر سیاسی واقتصادی یا تبلیغی ودعوتی ضرورت سے ہندوسندھ میں آ کر آباد ہو گئے۔ یا اپنا کام مکمل کر کے وہ واپس چلے گئے۔ یہ کتاب اہلِ علم اور اربابِ تحقیق میں بہت مقبول ومتداوِل ہوئی۔ لائبریریاں اگر اس کتاب سے خالی ہیں تو ان میں ایک اہم خلاء سمجھا جاتا ہے اور اس خلاء کو اسی وقت پُر سمجھا جاتا ہے جب اس میں شامل ہو جائے۔

۳۶- **علی وحسین**: ۱۹۵۹ء میں کراچی پاکستان سے محمود احمد عباسی امروہوی کی ایک فتنہ انگیز کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' شائع ہوئی۔ بعض کم سواد لوگوں کے حلقے میں اس کی بڑائی پذیرائی ہوئی۔ اس کے بہت سے جوابات اخبارات ورسائل میں یا کتابی شکل میں سامنے آئے۔ اس کا جواب قاضی صاحب نے بھی اپنے اخبار روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی میں ۷؍نومبر تا ۱۷؍دسمبر ۱۹۵۹ء ۳۵ قسطوں میں لکھا۔ جن کو مرتب کر کے ''علی وحسین'' کے نام سے مارچ ۱۹۶۰ء میں شائع کی گئی۔ یہ کتاب اپنے مباحثِ علمی اور لہجے کی شائستگی ومتانت کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ ۳۳۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دائرہ ملیہ مبارک پور سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں محمود احمد عباسی کی تاریخی غلطیوں کی نشاندہی

کے ساتھ ان کی علمی خیانتوں کی گرفت کی گئی ہے۔اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے برہان ستمبر ۱۹۶۰ء میں لکھا کہ:

''محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' نے اگر چہ ہندو پاک کے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا کیا۔لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ بعض اہلِ قلم حضرات اور سنجیدہ حضرات نے کتابِ مذکورہ کے مضامین کا علمی وسنجیدہ ردعمل لکھا اور اس کی وجہ سے اصل مبحث کے متعلق اردو میں اچھا خاصا مواد جمع ہو گیا۔انہیں گنتی کے چند مصنفوں میں قاضی اطہر مبارک پوری ہیں موصوف نے اس کتاب میں جو ان کے مسلسل مضامین کا مجموعہ ہے پہلے ان تدلیسات وتلبیسات کا پردہ چاک کیا ہے۔جو عباسی صاحب نے اختیار کی تھیں اس کے بعد حضرت علی اور ان کے دورِ خلافت پر امام حسین کی شخصیت اور مقام وموقف پر پھر یزید کی ولی عہدی اور اس کے عہدِ امارت کے واقعات پر علمی سنجیدگی اور کمالِ احتیاط سے روشنی ڈالی ہے اور دوسرے ماخذ کے علاوہ حافظ ابن تیمیہ،ابن خلدون اور ابن کثیر وغیرہم کے ان ماخذوں سے بھی استدلال کیا ہے۔جن پر عباسی صاحب کو بڑا بھروسہ تھا۔اس کے بعد متفرق مگر مفید مباحث مثلاً حدیث ملک غصوص،قاتل حسین عمرو بن سعد،حدیث غزوۂ مدینہ اور یزید پر گفتگو کی ہے۔غرض کہ عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں اب تک جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں زیرِ تبصرہ کتاب جامع اور معتدل نقطۂ نظر اور سنجیدہ تحقیق وزبان کی حامل ہونے کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے''(۱)۔

۳۷- دیوانِ احمد: قاضی صاحب کے جد مادری مولانا احمد حسین رسول پوری کی عربی شاعری کا مجموعہ ہے۔جس کو قاضی صاحب اور ان کے حقیقی ماموں مولانا محمد یحیٰ رسول پوری نے مرتب ومدون کرکے اپریل ۱۹۵۸ء میں طبع کرایا۔مولانا احمد حسین رسول پوری عربی کے اچھے شاعر تھے۔ مولانا احمد حسین رسول پوری۔مولانا عبدالعزیز میمنی۔راجکوٹی اور مولانا ظفرالدین بہاری تینوں

(۱) آئینہ در آئینہ۔قاضی اطہر مبارک پوری نمبر۔مجلّہ ترجمان الاسلام بنارس،ص:۱۲۸۔

اہلِ علم اور عربی ادب کے باکمال ادیب و ماہرین فن نے مدرسہ عالیہ رام پور میں مولانا شیخ محمد طیب صاحب عرب مکی سے عربی ادب کی تعلیم پائی تھی۔ مولانا احمد حسین رسول پوری کا عربی کلام کاغذات میں منتشر تھا اور اس کے ضائع ہو جانے کے اندیشے پیدا ہو چکے تھے۔ قاضی صاحب نے اپنی کتاب ''رجال السند والہند'' کی طباعت کے زمانے میں ان کو یکجا کر کے شائع کرنے کی تدبیر سوچی اور مختصر سا مقدمہ لکھ کر ان اشعار کو مطبوع کرا کے محفوظ کر دیا۔

۳۸- نارجیل سے نخیل تک: اس عنوان سے عرب و ہند تعلقات پر قاضی اطہر مبارک پوری کا طویل مقالہ ہے۔ جولائی سے اگست ۱۹۶۲ء تک معارف اعظم گڑھ کے شماروں میں چار قسطوں میں شائع ہوا۔ اس کا عربی میں ترجمہ کرا کے اپنے سہ ماہی عربی مجلّہ ''ثقافۃ الھند'' میں شائع کرایا اور عرب ممالک کے سفارت خانوں میں انہیں بھیجا۔ اسی کے ساتھ عرب ممالک میں ہندوستانی سفارت خانوں کو بھی روانہ کیا۔ عرب کے مشہور ادیب و محقق اور مصنف وصحافی استاذ عبدالقدوس انصاری نے بھی اپنے ''مجلہ المنہل'' جدہ میں اپنی تعلیقات کے ساتھ دو یا تین قسطوں میں اس کو شائع کیا ''قلم'' جو ایک گجراتی پرچہ ہے اور نوساری گجرات سے چھپتا ہے۔ اس میں بھی مقالے کا گجراتی ترجمہ شائع ہو کر علمی و تحقیقی مزاج والوں میں پسند کیا گیا۔ اب اس مقالہ کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۳۹- عرب و ہند عہدِ رسالت میں: یہ قاضی صاحب کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کام کا خاکہ قاضی صاحب کے ذہن میں انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی کی مدرسی کے زمانہ میں پیدا ہوا ان کے پاس ''رجال السند والہند'' کے مسودات تاریخ و جغرافیہ کے اقتباسات کثیر تعداد میں موجود تھے۔ ان معلومات کو یکجا کیا، تو پہلی قسط ''نارجیل سے نخیل تک'' معارف کے چار نمبروں میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد بھی اس سلسلہ کے مضامین قاضی صاحب لکھتے رہے۔ آخر میں ایک باب کا اضافہ کر کے یہ کتاب مرتب کر لی اور ''عرب و ہند عہد رسالت میں'' کے نام سے جنوری ۱۹۶۵ء میں ندوۃ

المصنفین دہلی کی طرف سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب بے پناہ مقبول ہوئی۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ قاہرہ مصر کے ایک ناشر کتب نے شائع کیا۔ مکتبہ عارفین کراچی نے اس کتاب کا عکسی ایڈیشن شائع کیا۔ تنظیم فکر ونظر سکھر سندھ (پاکستان) نے بھی اس کا فوٹو شائع کیا۔ چوتھی بار ندوۃ المصنفین دہلی کے پہلے ایڈیشن جنوری ۱۹۶۵ء کا عکسی فوٹو مئی ۲۰۰۴ء میں فرید بک ڈپوئی دہلی نے شائع کیا۔ پاکستان سے اس کتاب کا سندھی زبان میں ترجمہ بھی میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کتاب کے کل آٹھ ابواب ہین۔ مثلاً (۱) نارجیل سے نخیل تک (۲) عرب وہند کے قدیم تجارتی تعلقات (۳) عرب میں آباد ہندوستانی قومیں (۴) عرب میں ہندوستانی بستیاں (۵) عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوتِ اسلام (۶) پیغمبر اسلام اور ہندوستان کے باشندے (۷) عہد رسالت میں ہندوستانی اشیاء کا استعمال (۸) اسلام اور مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد، اس کتاب میں بعض لسانی بحثیں بھی بڑی معلومات افزا اور قابلِ قدر ہیں۔ مثلاً لفظ ''بابو'' کے سلسلے میں قاضی صاحب نے جو بحث کی ہے، اس کے حوالے سے ان کی لسانی بلند ذوقی اور تحقیقِ الفاظ میں دقتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لیے ہوتا تھا۔ تقریباً اسی دوسرے معنی میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لیے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بابو اور بابوس میں صرف آخر میں سین کا اضافہ ہے۔ نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچہ کو بابا کہتا ہے۔ لسان العرب میں ہے۔(۱)

وقالوا بأبأ الصبی ابوه اذاقال له بابا، وبابأه الصبی اذاقال له بابا ۔علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے بچے کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا ہے تو بأبأ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے ۔ ہندوستان اور عرب میں یہ مشترک لفظ تھوڑے سے مقامی اثر وفرق کے ساتھ حدیث

---

(۱) ابن منظور 'لسان العرب' (ص ۱۶)، ج ۱

میں آیا ہے چنانچہ بخاری میں حدیث جریج راہب میں ہے کہ:

فمسح راس الصبی وقال له یابابوس من ابوك ،فقال راعی الغنم ،جریج راہب نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ اے بابو تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا کہ بکری کا چرواہا۔ مولانا فضل اللہ گیلانی "شرح الادب المفرد" میں لکھتے ہیں۔

البابوس الصغیر ،اولرضیع وھوبابوفی الھندیه ۔ بابوس کے معنی چھوٹے بچے یا دودھ پیتے بچے کے ہیں اور ہندی زبان میں یہی بابو ہے (۱)۔ اس کتاب کی تیاری میں قاضی صاحب نے ادب ولغت تاریخ وطبقات سیر وتراجم ،غزوات ومغازی ،تذکرہ وسوانح، جغرافیہ اور رجال واحادیث کے ذخیروں سے فائدہ اٹھایا ہے اور ایسے ایسے پہلوؤں پر نظری کی ہے جو واقعات وروایات اور کتاب وتذکرہ کی عبارتوں میں پوشیدہ تھے اور جن تک کسی اور اردو ادیب ومورخ کی نگاہِ قلم نہیں پہنچی تھی۔

۴۰- **ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں**: ۳۴۰ صفحات پر محیط اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دہلی کے ندوۃ المصنفین کی طرف سے ۱۹۶۷ء میں چھپا۔ دوسرا ایڈیشن مکتبہ عارفین کراچی (پاکستان) سے شائع ہوا۔ تنظیم فکر ونظر سندھ پاکستان نے اس کا تیسرا ایڈیشن اپنے اہتمام میں طبع کرایا۔ مصر کے ڈاکٹر عبدالعزیز عزت نے اس کا عربی ترجمہ "الحکومات العربیہ فی الہندوالسند" کے نام سے مکمل کر کے اسلام آباد یونیورسٹی پاکستان کے مجلّہ "الدراسات العلمیہ میں قسط وار شائع کرایا۔ پھر کتابی شکل میں مکتبہ آل یداللہ بکریہ ریاض (عرب) نے چھپوایا۔ اس کتاب میں قاضی صاحب نے عرب وہند کے تعلقات پر اس انداز میں گفتگو کی ہے کہ اس سے قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے فضا سازگار ہوتی ہے۔

۴۱- **اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ**: اس کتاب کے کل ۲۸۰ صفحات میں قاضی صاحب کے آٹھ

---

(۱) عرب وہند عہد رسالت میں مئی ۲۰۰۴ء فرید بک ڈپوئی دہلی (ص: ۱۸۳-۱۸۴)

مقالات شامل ہیں۔ طبعِ اول ندوۃ المصنفین دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں قاضی صاحب نے بعض ظن وتخمین، یا کمزور حوالوں پر مبنی سلسلۂ واقعات وحقائق پر بھی دلائل کے ساتھ بحث کی ہے عام طور پر فاتح ہند محمد بن قاسم کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے حقیقی چچازاد بھائی اور حجاج بن یوسف کے داماد ہیں۔ اسی طرح ان کی عمر کے متعلق یہ بھی مشہور کر دیا گیا ہے کہ ہندوستان کی امارت وفتوحات کے وقت محمد بن قاسم ثقفی صرف سترہ برس کے تھے۔ قاضی صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۹۷ پر ان کی دونوں طرح کی عزیز داریوں پر سیر حاصل گفتگو کر کے بتایا ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی حجاج بن یوسف کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد نہیں تھے۔ البتہ خاندانی رشتے میں وہ حجاج کے چچازاد بھائی تھے۔ کتاب کے ص: ۱۰۷ پر عمر کے بارے میں ان کی بحث ان کی تاریخ دانی کی واضح مثال ہے وہ کہتے ہیں:

ہمارے مؤرخوں کے قول کو مان کر محمد بن قاسم کی عمر ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں فتحِ ہندوستان کے وقت صرف سترہ سال تسلیم کر لی جائے تو ۸۳ھ میں جب کہ وہ فارس کے امیر بنائے گئے ان کی عمر چھ سات سال ماننی پڑے گی جو ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔ اس عمر میں کسی بچے کو ملک کی ولایت اور غزوات کی امارت تو دور کی بات ہے گھر کی کوئی معمولی سی ذمہ داری بھی نہیں دی جاتی ہے اس حوالے سے اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ جو ہماری بزم دوشیں کی تہذیبی وعلمی یادگار کے طور پر سامنے آئی ہے اس کی تاریخ سے متعلق مضبوط دلائل وشعور کا پتہ چلتا ہے۔ اس مجموعۂ مضامین میں قدیم فاتحین ہند۔ قدیم ہندی علماء وفضلاء اور عربی و ہندی سیاسی وتہذیبی تعلقات پر اچھے خاصے تاریخی شواہد جمع کیے گئے ہیں۔

۴۲۔ **خلافتِ راشدہ اور ہندوستان:** ندوۃ المصنفین دہلی کی ۱۹۷۲ء میں شائع کی ہوئی کتاب ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی دوسری اشاعت تنظیم فکر ونظر سندھ پاکستان نے اپنے اہتمام میں کی۔ اس کتاب میں خلافتِ راشدہ کے عہد میں ہندوعرب تعلقات ،علم وتمدن اور معاشرت

وتجارت، ہندوستان میں صحابہ وتابعین کے ورودِ مسعوداوران کی سرگرمیوں،ان کے حالات،تاریخ وجغرافیہ اور سیاست وامارت کے بارے میں تحقیقی بحثیں ملتی ہیں۔اس کتاب میں بھی قاضی صاحب نے مختلف موضوعات کی پچاسوں کتابوں سے استفادہ کر کے اپنے محققانہ مزاج کے مطابق ہر مسئلہ روشن کر کے ایک واضح موقف پڑھنے والے کے سامنے رکھا ہے اور تعلقات کی نوعیت واضح کی ہے ''خلافت راشدہ اور ہندوستان'' سے ایک مثال کے ذریعہ اس کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔قاضی صاحب لکھتے ہیں:مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے اسلامی دینی،ملی،سیاسی،تمدنی،علمی،فکری،ادبی، لسانی،اجتماعی اور انفرادی پہلوؤں میں سے ہر ایک پر الگ الگ تصانیف کے انبار لگائے ہیں۔مثلاً غزوات وفتوحات کے موضوع پر صرف رزم کی داستانیں مرتب کیں اس میں علمی وفکری تاریخ کو نہیں ملایا اور تہذیب وتمدن کے مباحث پر جو کتابیں تصنیف کیں ان میں صرف تہذیبی وتمدنی حالات درج کیے۔قدماء کے اس عام طرز تاریخ نویسی کی وجہ سے بعض لوگوں کی طرف سے شکوہ ہونے لگا کہ ہماری تاریخوں میں غزوات وفتوحات اور حکومت وامارت کی تفصیلات تو نہایت شرح وبسط سے پائی جاتی ہیں مگر تمدنی فکری،علمی،معاشی،معاشرتی باتیں اور مقامی ووقتی احوال نہیں ملتے حالانکہ اس شکوے کی وجہ ان موضوعات کی مستقل تصانیف سے کوتاہ نظری اور صرف سیر ومغازی کی کتابوں ہی میں سب کچھ تلاش کرنے کی سعیِ ناکامی اور ذوق خام ہے۔اگر کوئی مؤرخ چاہے تو کسی ایک ملک یا علاقے کی اسلامی تاریخ کے ہر پہلو کو ان کتابوں سے چھان بین کر کے نمایاں کرے۔ غزوات وفتوحات کے لیے سیر ومغازی کا مطالعہ کرے،دینی وعلمی رجال کے لیے طبقات وتذکرہ کی کتابیں پڑھے،نظام حکومت کے لیے خراج واموال اور قوانین کا کتب خانہ کھنگالے عام حالات کے لیے ادب ومحاضرات اور متعلقہ کتابوں کی ورق گردانی کرے اور ان سے اخذ واقتباس کر کے جامع اور مستوعب تاریخ مرتب کرے(۱)۔

---

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری،خلافت راشدہ اور ہندوستان۔بار اول،ص:۱۷-۱۸-۱۹۔

۴۳- **خلافتِ عباسیہ اور ہندستان** :اس کتاب کے ۵۵۸صفحات ہیں۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا۔دوبارہ تنظیم فکر ونظر سندھ پاکستان نے چھاپا۔یہ کتاب بھی قاضی صاحب کے پسندیدہ موضوع عرب و ہند تعلقات سے متعلق ہے اوراس میں تاریخ وجغرافیہ،طبقات وتراجم رجال،واحادیث سیر ومغازی وغیرہ کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور جو پہلو بھی زیر بحث آیا ہے،اس پر تحقیقی نقطۂ نظر سے بات کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

۴۴- **خلافتِ بنوامیہ اور ہندوستان**:اس کے ناشر بھی ندوۃ المصنفین دہلی کے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ہی ہیں اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں چھپا جو ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کا دوسرا ایڈیشن تنظیم فکر ونظر سندھ پاکستان کے حصے میں آیا۔

۴۵- **تذکرہ علمائے مبارک پور**: جون ۱۹۷۴ء میں دائرہ ملیہ مبارک پور سے قاضی حیات النبی (قاضی صاحب کے چھوٹے بھائی) کی کتابت سے منظر عام پر آئی۔کتاب کے ۲۹۳صفحات ہیں اس میں قصبہ مبارک پور اوراس کے ملحقات ونواح کے ساڑھے چار سو سالہ اجمالی تاریخ اور قصبہ وسوادِ قصبہ کے مشائخ وبزرگانِ دین،علماء وفقہاء،محدثین و مصنفین ،مدرسین وصحافی شعراء وادباء اور دیگر اربابِ علم وفضل کے حالات وخدمات اوران کے علمی ودینی مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس تذکرہ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی ہے کہ مبارک پور پارچہ بافوں کی آبادی ہونے کی وجہ سے شرفائے انجاب کی نگاہ قلم میں بہت کم مایہ تھا۔

۴۶- **مآثر ومعارف**: قاضی صاحب کے ۲۵ مقالات کا مجموعہ ہے ندوۃ المصنفین دہلی نے مارچ ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔ضخامت ۲۷۱ صفحے کی ہے۔اس میں قاضی صاحب نے اپنے خاندان،ننہال اوراپنے دیار کے بارے میں تفصیلی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔اس کے علاوہ اس میں کچھ اوراہم موضوعات اوراسلامی علوم وفنون سے متعلق مقالات بھی شامل ہیں۔تدوین حدیث اس کا ایک خاص مضمون ہے۔

۴۷- **دیارِ پورب میں علم اور علماء**: یہ کتاب ۴۸۲صفحات پر مبنی ہے اس کی اشاعت ۱۹۷۹ء میں ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے ہوئی۔اس کتاب میں اتر پردیش کے مشرقی اضلاع مثلاً الہ آباد جون پور، بنارس، غازی پور، اعظم گڑھ اور ان کے اطراف و جوانب کے علماء وفضلاء کی علمی و دینی سرگرمیوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔قاضی صاحب نے چار علمی ادوار قائم کر کے دیارِ پورب کی سات سو سالہ علمی و دینی تہذیبی و فکری خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔اس میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی راجہ سید حامد شاہ مانک پوری، میر علی عاشقان سرائے میری، ملا محمود جون پوری، مولانا حافظ امان اللہ بنارسی، مولانا شیخ غلام نقشبند گھوسوی، مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان بھیروی، مولوی حسن علی ماہلی کا تذکرہ شامل ہے۔مشہور علمی و دینی خانوادوں کی بحث میں قلمی ومطبوعہ کتابوں کی مدد سے ان کے اساتذہ وتلامذہ اور معاصرین و متعلقین کے بارے میں بھی بہت سے مخفی پہلو اُجاگر کیے گئے ہیں۔جس سے اس دیار کے علمی دور کی سرگرمیاں اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ سامنے آجاتی ہیں۔

۴۸- **آثار واخبار (جلد اول)**: قاضی صاحب کے چار علمی، دینی، تاریخی مقالات کا دوسرا مجموعہ ہے۔نومبر ۱۹۸۸ء میں ندوۃ المصنفین دہلی نے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا۔یہ دو جلدوں میں چھپنے والا تھا۔ابھی دوسری جلد منتظرِ اشاعت ہے۔جلد اول کے ابتدائی چار مقالات کا تعلق قدیم اسلامی ہند کے علمی و دینی خانوادہ سے ہے۔جن میں صدیوں علم و دین کی سیادت وامامت باقی رہی۔پہلا آلِ عبدالرحمٰن بیلمانی دوسرا آلِ ابومعشر سندی مدنی۔تیسرا آلِ مقسم قیقانی بصری اور چوتھا امام ابوالحسن مدائنی کے سوانح پر ہے۔جو اسلامی ہند کے پہلے مؤرخ اور یہاں کے احوال کے مشہور عالم ہیں یہ مقالات علمی تحقیقات کے حامل ہیں اور قدیم ماخذ کے حوالے سے جدید وو قیع اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۴۹- **حج کے بعد**: قاضی صاحب کا یہ ۴۰ صفحات کا مختصر رسالہ ہے جس کو ۱۹۵۷ء میں انجمن

''خدام النبی''، بمبئی نے شائع کیا تھا۔ یہ ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو حاجیوں کے درمیان بحری جہاز میں حج کے بعد کی حاجیوں کی ذمہ داری کے تعلق سے کی گئی تھیں۔ اس میں قاضی صاحب کی علم وتقویٰ اور دینداری کی منہ بولتی تصویریں بھی نظر آتی ہیں حالانکہ انہوں نے حاجیوں کے تعلق سے اس میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ مگر درحقیقت اس مجموعہ کا بین السطور قاضی صاحب کی مذہبی ودینی حساسیت کا ترجمان بن گیا ہے۔ اب تک چھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۵۰- العقد الثمین: اس کا پورا نام ''العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابۃ والتابعین'' ہے یہ پہلی بار ۱۹۶۸ء میں ابناء مولوی محمد بن غلام رسول سورتی بمبئی نے ۳۳۵ صفحات میں شائع کی۔ دوسری بار یہی کتاب ''دارالانصار'' قاہرہ مصر سے ۲۳۱ صفحات میں شائع ہوئی۔ قاضی صاحب عرب وہند تعلقات پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے اوران تعلقات کی علمی ودینی، ادبی ولسانی، تہذیبی وسماجی اور دیگر جہتوں کی جزئیات تک کی معنویت سے واقفیت رکھتے تھے۔ اس کتاب میں اسلامی ہند کی فتوحات اور ہندوستان میں تشریف لانے والے صحابہ وتابعین کے احوال وکوائف بیان کیے گئے ہیں۔ قاضی صاحب نے اس کتاب میں جن علاقوں اور خطوں کی علمی ودینی سرگرمیوں کا احاطہ کیا ہے، اس میں ہندوستان کا وہ سندھی حصہ شامل ہے، اس کتاب میں قاضی صاحب نے تاریخ وسیر، مغازی واحادیث اور رِجال وتراجم کے عربی ذخیروں سے ریزہ ریزہ چن کر معلومات کا انبار لگادیا ہے۔ جس سے قاضی صاحب کی مؤرخانہ شان اپنی پوری انفرادیت کے ساتھ روشن ہوگئی ہے۔ یہ کتاب عرب وہند کے علمی ودینی اور تمدنی وتاریخی تعلقات، ہندوستان کی فتح اور صحابہ وتابعین کی آمد ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس کتاب سے تاریخ اسلام کا ایک بہت بڑا خلا پُر ہوا ہے۔

۵۱- تبلیغی وتعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں: یہ ۳۵ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ پہلی بار دائرۃ المصنفین مبارک پور نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔ اس مختصر رسالہ میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ

مسلمانوں نے ابتداء ہی سے مسجدوں، بازاروں، شہر و دیار اور مجالس و محافل کے حوالے سے دعوتی تبلیغی اور تعلیمی خدمات انجام دی ہیں اور ان کے درس و تدریس کے لیے افادہ واستفادہ کی راہیں بہت وسعت پذیر تھیں۔ یہ جہاں خیمہ زن ہوئے اور جس جگہ بیٹھے۔ وہیں علوم و معارف کے قافلوں کو سمیٹ لائے۔ ماحول جو صرف مادی کاروبار سے نمو پذیر تھے۔ مسلمانوں کی جدوجہد سے تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ یہ تحریریں قاضی صاحب کے رسالہ ماہ نامہ ''البلاغ'' بمبئی میں شائع ہو چکی تھیں۔ بعد میں اس کے کئی ایک ایڈیشن اشاعت پذیر ہوئے۔ اس رسالے کی تبویب وتسوید میں حدیث وسیر، طبقات ورجال اور تاریخ وتراجم کی کتابوں سے ابتدائی چند صدیوں کے اہلِ اسلام کے علمی وتعلیمی انہماک پر خاص توجہ مبذول کر کے واقعات کو دلچسپ پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے بعد کا ایڈیشن ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو فرید بک ڈپوئی دہلی نے جون ۲۰۰۵ میں شائع کیا۔

۵۲- **نسخہ شفا:** قاضی اطہر مبارک پوری نے ''الجواب الکافی'' عربی کا اردو ترجمہ کیا ہے جو ابھی غیر مطبوعہ شکل میں ہے۔

۵۳- **داغِ فراق:** قاضی صاحب رسالہ ''البلاغ'' بمبئی میں اپنے معاصرین علماء وفضلا اہل علم اور دوسرے اہل تعلق کی وفات پر تعزیتی خیالات وتاثرات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کی انہیں تحریروں کو یکجا کر کے مولانا محمد صادق مبارک پوری نے مرتب کیا ہے جو قاضی اطہر اکیڈمی لکھنؤ سے ۲۰۰۶ء میں جلد ہی منظر عام پر آنے والی تھی۔ جس سے قاضی صاحب کی خاکہ نگاری۔ شخصیتوں کی علمی وفکری مرقع کشی اور جزئیات نگاری کی صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے اور اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب میں انسانی درد وغم کو محسوس کرنے کی بڑی صلاحیت تھی اور وہ اپنے معاصرین کا بھی کھلے دل سے اعترافِ علمی اور اظہار مقام ومرتبہ فرماتے تھے۔

۵۴- **ہندوسندھ کی قدیم شخصیات:** چارسو صفحے کی کتاب ہے جو ''رجال السند والہند'' (عربی)

کا ترجمہ ہے جس کے مترجم مولانا عبدالرشید قاسمی بستوی ناظم تعلیمات معہد الانور دیوبند ہیں۔

۵۵- جواہر الاصول (عربی): کتاب کا پورا نام "جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول" ہے جو ابوالفیض محمد بن محمد بن علی حنفی فارسی کی غیر مطبوعہ کتاب تھی۔ قاضی صاحب نے اس کے مخطوطہ کی تصحیح و تحقیق کر کے بڑا تحقیقی اور بصیرت افروز مقدمہ لکھا۔ اس کو پہلی بار شرف الدین الکتبی واولادہ، بمبئی نے ۱۹۷۳ء میں زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔ دوسرا ایڈیشن "الدار سلفیہ" بمبئی نے شائع کیا۔ جب یہ حجاز کی علمی و تحقیقی مجلسوں میں پڑھی گئی تو اس کا خوبصورت ایڈیشن مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ نے اہتمام سے شائع کر کے حجاز مقدس میں عام کیا۔ یہ کتاب صرف ۱۳ دن میں مقابلہ تصحیح اور حاشیہ و تعلیق کے مرحلوں سے گذری۔ یہ کتاب دو قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب ہوئی ہے۔

۵۶- تاریخ اسماء الثقات (عربی): ابن شاہین بغدادی کی یہ کتاب بھی محرومِ اشاعت تھی اس کا قلمی نسخہ جو ۱۱۳۷ھ کا لکھا ہوا تھا، جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ قاضی صاحب نے اس کی نقل تیار کر لی تھی۔ ۱۹۸۶ء/۱۴۰۶ھ میں شرف الدین الکتبی واولادہ بمبی نے اس کو شائع کیا اس کے ۲۳۵ صفحات ہیں۔ ابتداء میں قاضی صاحب نے پر مغز مقدمہ لکھا ہے۔ یہ نسخہ علمی طریقے پر مرتب کیا گیا ہے۔ رجال و متن کی تصحیح کر کے اس پر ضروری حاشیہ لکھا گیا ہے۔ فنِ رجال کے ماہرین کی کتابوں سے اس پر تحقیق و تنقید کر کے قاضی صاحب نے متنی تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔

۵۷- الہند فی عہد العباسین (عربی): "خلافت عباسیہ اور ہندوستان" کا عربی ترجمہ ہے، مترجم عبدالعزیز عزت مصری عالم ہیں۔ صرف ۸۷ صفحات میں ہے۔ اس کی اشاعت ۱۹۷۹ء میں "دارالانصار" قاہرہ (مصر) کے زیر اہتمام عمل میں آئی۔

۵۸- الحکومات العربیہ فی الہند والسند (عربی): یہ "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" کا ترجمہ ہے جو ایک بڑے عالم و محقق عبدالعزیز عزت کا کیا ہوا ہے۔ جو پہلی بار اسلام آباد یونیورسٹی پاکستان کے مجلّہ "الدراسات العلمیہ" نے بالا قساط شائع کیا۔ بعد میں اس کو کتابی شکل میں مکتبہ آل

یداللہ بکر یہ ریاض (سعودی عرب) نے اہتمام سے شائع کر کے عربی داں محققین کے استفادہ کی راہیں ہموار کیں۔ اس کا مقدمہ ڈاکٹر شیخ عبدالمنعم فاضل جامعہ ازہر مصر متوفی ۱۴۱۱ھ نے لکھا تھا۔

۵۹- الخطبات والرسائل العربیہ (عربی): یہ غیر مطبوعہ ہے۔

۶۰- سوانح امام جوزی: اردو میں ہے اور ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

۶۱- احوال ومعارف: قاضی اطہر مبارک پوری اردو روز نامہ ''انقلاب'' بمبئی میں تفسیری نوٹ کے ساتھ احوال ومعارف کے عنوان سے چالیس سال تک لکھتے رہے ہیں اس کالم میں دورِ حاضر کے مسائل ومباحث اور افکار ونظریات پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے اہلِ علم حضرات کی طرف سے بار بار مطالبہ ہوتا رہا کہ ''احوال ومعارف'' کے انتخاب کو کتابی شکل میں سامنے لایا جائے۔ لیکن ابھی تک نہیں آسکی۔

باب چہارم

قاضی اطہر مبارکپوری ایک شاعر

قاضی صاحب اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں فکرِ سخن کرتے تھے۔انہوں نے مختلف اصنافِ سخن کو ذریعۂ اظہار بنایا تھا۔ان کے یہاں غزل، نظم، نعت قطعہ شخصی نوحے یا مرثیے کے علاوہ ساقی نامہ اور مثنوی کے رنگ میں بھی شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔اصنافِ شاعری کی بوقلمونی کے ساتھ موضوعات کی وسعت بھی ان کی شاعری کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔وہ بے منتِ غیرے کامیابیوں کے دریچے تک پہنچے ہیں۔ان کے اساتذہ میں بھی کوئی شاعر وادیب نہیں تھا، جس سے وہ نکات سخن کی آگہی حاصل کرتے۔قاضی صاحب نے اپنے حالات میں ایک جگہ اپنے ماموں مولانا محمد یحییٰ رسول پوری کو چھوڑ کر باقی اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''میرے اساتذۂ کرام میں کوئی ادیب، شاعر، مصنف نگار نہیں تھا۔مگر میں ان ہی سے تعلیم حاصل کر کے سب کچھ ہوا یہ ان کے خلوص اور میری ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے'' (۱)۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قاضی صاحب کا میلان طبع شاعری کی طرف کیوں ہوا۔وہ کون سے اسباب وعوامل تھے، جنہوں نے ان کی فکر کو شاعری کا کوچہ دکھایا طبعی رجحان کے مظاہرے کے بارے میں اب یہ بات ایک تسلیم شدہ حقیقت بھی بن چکی ہے کہ خارج میں پہلے ہی سے وہ تمام عناصر، اثرات یا اسباب موجود رہتے ہیں، جو ذہن وفکر کے بنانے اور سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، جن کو ہم ماحول کا نام دیتے ہیں۔اگر چہ وہ عام نگاہوں سے اوجھل رہتے

(۱) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک۔دائرہ ملیہ مبارک پور ۱۹۸۷ء ص: ۱۷-۱۸

ہیں۔ یا انسان کو وہ میلان ورجحان وراثتاً ونسلاً ملتے ہیں، جو زندگی کا قطب نما درست کرتے ہیں۔ چونکہ انسان اس عالمِ اسباب سے رشتۂ زندگی رکھتا ہے، اس لیے ہر سبب کا مسبب ضرور ہوتا ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری کا تعلق جس دور سے اور جس طرزِ تعلیم سے تھا۔ اس میں ادب وشعر، زبان و بیان، قواعد وعروض کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ درسی کتابوں میں علوم وفنون کی ان شاخوں کو نمایاں حیثیت دی گئی تھی، جو قواعد وانشاء سے خاص تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے دور میں شاعری کی واقفیت، علمیت وقابلیت کی دلیل اور حیثیتِ عرفی کی کلید تھی۔ دوسری مسلم آبادیوں کی طرح مبارک پور میں بھی شاعروں کا ایک سلسلۃ الذہب کسی نہ کسی انداز میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔ فارسی تعلیم اور نصابی کتابوں کے حوالے سے مزاجِ شعری کو بارآور ہونے کے لیے بہترین ماحول مل جاتا تھا قاضی صاحب کے ننہیالی بزرگوں میں نانا مولانا احمد حسین رسول پوری ۱۲۸۸ھ-۱۳۵۹ھ اور حقیقی ماموں مولانا محمد یحییٰ رسول پوری ۱۳۲۸ھ-۱۳۸۷ھ کا شمار عربی کے اچھے شاعروں میں ہوتا تھا۔ اول الذکر کا عربی کلام بھی ''دیوانِ احمد' کے نام سے شائع ہوکر عربی داں حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری نے ان دونوں بزرگوں کے اثرات قبول کرنے کی بات تسلیم خود تسلیم کی ہے(۱)۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے شعری مزاج کی تشکیل کے لیے اسباب ان کے ننہیال سے فراہم ہوئے تھے۔ جو کمی رہ گئی تھی وہ ان کی قواعد وانشاء اور ادب عربی وفارسی کی کتب متداولہ نے پوری کردی تھی۔ قاضی صاحب ابھی کم عمر ہی کے تھے کہ شعروشاعری نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ ان کا بیان ہے کہ اردو تعلیم ہی کے زمانہ سے شعر وشاعری کا ذوق ابھرنے لگا تھا۔ اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال کی تھی، مضمون نگاری کی طرح شعر وشاعری میں بھی کسی سے اصلاح یا مشورہ کی باری نہیں آئی اور اپنے ذوق ہی کو رہنما بنایا۔ خود اعتادی کے ساتھ آگے

(۱) نفس المصدر، ص:۱۵

بڑھا تو اس میں بھی بہت زیادہ انہاک ہو گیا (۱)۔

اس انہاکِ شعری کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی صاحب کا زیادہ وقت شاعری کی نذر ہونے لگا یہی نہیں بلکہ ان کے اپنے لفظوں میں خواب میں بھی شاعری کرنے لگے اور نیند ان کی شعری صلاحیتوں کو جگانے لگی۔ وہ لکھتے ہیں شعر و شاعری کا ذوق ابھرا تو اتنا غلو ہوا کہ خواب میں اشعار کہنے لگا اگر یہ صورت باقی رہتی تو اچھا خاصا شاعر بن گیا ہوتا (۲)۔

قاضی صاحب کی احیاء العلوم کی طالب علمی کا کلام مدرسہ شاہی جامعہ قاسمیہ مراد آباد کے ترجمان ماہ نامہ ''قائد'' مراد آباد میں شائع ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن رسالہ قائد میں چھپنے سے پہلے ان کی نظم ''مسلم کی دعا'' کے عنوان سے پہلی بار رسالہ الفرقان بریلی جلد ۵ نمبر ۶ بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ کے ص: ۳۲ پر چھپ چکی تھی (۳)۔

اس نظم کے کل پانچ بند ہیں اور یہ مسدس کی ہیئت میں ہے۔ اس میں شاعر نے ماضی کی یادوں کو کریدتے ہوئے اور اسلاف کے کارناموں کو روشن کرتے ہوئے عہدِ رفتہ کے لوٹ آنے، حجازی وادیوں میں شورشِ مستانہ اور اسلام کی طرف دنیا کے مائل ہونے کی تمنا ظاہر کی ہے اسی کے ساتھ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف کے کارناموں اور ان کی داستانِ جانبازی کو دنیا میں دہرانے کی دعا مانگی ہے اس نظم کا پہلا بند اس طرح ہے:

الٰہی پھر وہی ساقی وہی میخانے ہو جائے
حجازی وادیوں میں شورشِ مستانہ ہو جائے
شبستانِ جہاں توحید کا کاشانہ ہو جائے
ہر اک فرد بشر اسلام کا دیوانہ ہو جائے
الٰہی پھر پتنگوں میں امنگ و سوز پیدا کر
الٰہی پھر رخِ اسلام پر دنیا کو شیدا کر

---

(۱) نفس المصدر، ص: ۴۱

(۲) نفس المصدر، ص: ۴۸ (۳) نفس المصدر، ص: ۴۲

ڈیڑھ برس کے بعد یہی نظم عنوان کی تبدیلی کے ساتھ ''نالۂ اطہر'' کے عنوان سے ماہ نامہ ''قائد'' مراد آباد بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۹ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ میں ص:۳۱ پر اُس وقت چھپی جب قاضی صاحب دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے مدرسہ شاہی جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں زیر تعلیم تھے اور ''قائد'' کے مدیر مولانا سید محمد میاں بھی جامعہ قاسمیہ کے دیگر اساتذہ کے ساتھ قاضی صاحب کے علمِ حدیث اور ادب عربی کے استاد کی حیثیت سے ان کی علمی و دینی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ قاضی صاحب نے ''نالۂ اطہر'' کو ترمیمی صورت دیکر رسالہ ''قائد'' میں چھپوایا تھا۔ قاضی صاحب کے بیان کے مطابق ان کی پہلی نظم ''مسلم کی دعا'' کے عنوان سے رسالہ ''الفرقان'' بریلی کے شمارہ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوئی تھی (۱)۔ اور ان کی غزل ''اسرار'' کے عنوان سے پہلی بار سہ روزہ ''زمزم'' لاہور کے ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۰ء کے شمارہ میں چھپی تھی۔ جس میں کل نو اشعار تھے اس کا مطلع یہ تھا:

خلوتِ بے نیاز کو سلطنتِ شہی سمجھ
بے خودیِ خودی میں ڈوب سِرِ قلندری سمجھ (۲)

اپنے شاعری کے سلسلے میں خود قاضی صاحب کہتے ہیں کہ مضامین و اشعار کے شائع ہونے کے بعد شاعری اور مضمون نگاری کے ساتھ تصنیف و تالیف اور تلاش و تحقیق کا ذوق جرأت و ہمت دکھانے لگا۔ چنانچہ میں نے زمانۂ طالب علمی میں پانچ کتابیں لکھیں، دو عربی میں اور تین اردو میں (۳) ان کے دورِ طالب علمی کی یادگار انہیں کتابوں میں ''اصحاب صفہ'' کے نام سے ایک منظوم کتاب بھی تھی۔ جس میں تقریباً سوا دو سو اشعار قاضی صاحب کے کہے ہوئے تھے۔ ان اشعار میں جو جذبہ و تاثر اختیار کیا گیا تھا اور جس انداز و طرز میں شاعری کی گئی تھی، وہ نہایت والہانہ اور عقیدت مندانہ تھا۔

---

(۱) نفس المصدر، ص:۴۲۔

(۲) کاروان حیات۔ مشمولہ قاضی اطہر مبارک پوری نمبر۔ ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ، ص:۵۳۔

(۳) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک۔ دائرہ ملیہ مبارک پور ۱۹۸۷ء، ص:۳۷۔

اس منظوم کتاب میں حضرات اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کے اسماء واحوال، دین وآخرت اور خدا و رسول سے ان کی شیفتگی کے واقعات وحالات کو حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامہ اسلام'' کے رنگ وآہنگ میں نظم کہا گیا تھا۔اصحابِ صفہ کے بارے میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ: مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نے اسے دیکھ کر بہت پسند فرمایا اور ایک دوجگہ اصلاح کی تھی۔مولانا سید محمد میاں صاحب نے اسے مزید تصحیح کے لیے مولانا اعجاز علی صاحب کے پاس بھیج دیا اور ان سے اصلاح کے بعد آ گئی۔وطن واپس آیا تو اسی سال ۱۳۵۹ھ شباب کمپنی بمبئی (ابناء مولوی محمد بن غلام رسول السورتی) کے لیے بعض عربی کتابوں کا ترجمہ کیا اور رسالہ ''اصحابِ صفہ'' اسی کمپنی کو دیا مگر اس کی بھی اشاعت نہ ہوسکی، اس کا مجھے بے حد افسوس ہے خاصے کی چیز تھی (۱)۔

قاضی صاحب بچپن ہی سے شعر وشاعری کی طرف مائل ہوگئے تھے اور اپنی موزوں طبعی کا ثبوت دینے لگے تھے۔انہوں نے اپنی ابتدائی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابتدا ہی سے شعر وشاعری کا ذوق پیدا ہوا تو اپنے طور پر اچھی خاصی شاعری کرنے لگا اور میرے اشعار مذہبی سیاسی اور علمی جلسوں میں پڑھے جانے لگے بلکہ چھپنے لگے (۲)۔قاضی صاحب بچپن ہی سے ایسی موضوعاتی شاعری کرنے لگے تھے، جس سے ثابت ہونے لگا تھا کہ روایتی اور تقلیدی تغزل اور عشق ومحبت کی دنیا سے الگ سوچ رکھتے ہیں۔ان کے یہاں زندگی کا نامیاتی تصور تھا۔اسی لیے وہ گل وبلبل اور بہار وخزاں کے پردے میں بھی زندگی کے سنگین حقائق کی طرف اشارہ کرنے والی شاعری کی نمائندگی کرتے تھے۔قاضی صاحب حسن فطرت سے متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ان کا سماجی شعور بہت تیز تھا۔وہ حساس تھے ہی ساتھ ہی ساتھ اپنی بات سیدھی سادی زبان میں کہنے کی قدرت بھی رکھتے تھے۔انہوں نے ''برسات کی چاندنی رات'' کے عنوان سے اپنی طالبِ علمی کے زمانے میں ایک نظم کہی تھی۔
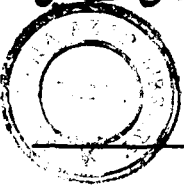
(۱) نفس المصدر، ص: ۳۹

(۲) نفس المصدر، ص: ۲۴

جس کا پس منظر خود انہوں نے بیان کیا ہے، مدرسہ کے طلباء جو اکثر قصبہ اور اطراف کی بستیوں کے ہوا کرتے تھے۔ عصر کے بعد عید گاہ پر جمع ہوتے تھے۔ یہ بہت پرُ فضا جگہ ہے۔ شمال میں سامنے سمودی کا وسیع وعریض تالاب، عید گاہ کے کچے صحن میں نیم کے درختوں کی قطار، جنوب میں تا حد نظر میدان اور آس پاس سرسبزی وشادابی، عجیب جاذبِ نظر اور دلکش منظر پیدا کرتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حافظ شیرازی کا ''کنار آب رکناباد وگل کشت مصلیٰ'' یہیں پر آ گیا ہے اسی زمانہ میں ''برسات کی چاندنی رات'' کے عنوان سے انہوں نے ایک نظم کہی تھی جس میں یہ شعر بھی تھا۔

دور کچھ یاں سے سمودی کے کنارے آم پر
ایک پپیہا دے رہا تھا جاں پیا کے نام پر(۱)

۱۳۶۳ھ میں قاضی صاحب نے جمال الدین افغانی کے بعض عربی رسالوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ شباب کمپنی بمبئی (ابنائے مولوی محمد بن غلام رسول السورتی تجارت الکتب جالی محلّہ، بمبئی) کے لیے یہ ترجمہ کیا گیا تھا۔ قاضی صاحب نے معاوضہ کے سلسلہ میں انہیں پر فیصلہ چھوڑ دیا جس پر انہوں نے خط میں یہ مصرع لکھا۔

آپ نے الجھن میں الجھن ڈال

قاضی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا:

ہم نواہوں میں بھی تیرا عندلیب
میں نے کیا الجھن میں الجھن ڈال دی(۲)

اسی طرح قاضی صاحب نے اپنے سات سالہ بیٹے انور جمال کے انتقال کے بعد کی ایک غزل میں انہوں نے نوحۂ ماتم کی شکل میں ایک شعر کہا۔ جس سے ان کی شفقتِ پدری اور بیٹے کی وفات پر رنج دلی کا پتہ چلتا ہے۔ قاضی صاحب کی غزل کا مطلع یہ ہے:

---

(۱) نفس المصدر، ص: ۴۵۔

(۲) کاروان حیات۔ مشمولہ قاضی اطہر مبارک پوری۔ ضیاالاسلام شیخو پور، ص: ۴۴-۴۵۔

مجھ کو رنگیں خیال نے مارا

آرزوئے وصال نے مارا

اس غزل کے آخری شعر میں انور جمال کا نوحہ وفات اس طرح ہے:

آہ میری حسیں امیدوں کو

میرے انور جمال نے مارا

قاضی صاحب کو انور جمال سے بے پناہ محبت تھی اور نفس شعر سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب کو بچہ کی ذہانت وصلاحیت سے مستقبل میں بڑی امیدیں تھیں قاضی صاحب ''کاروانِ حیات'' مشمولہ قاضی اطہر مبارک پوری نمبر (ماہ نامہ ضیاالاسلام شیخو پور، ضلع اعظم گڑھ) میں اپنے تاثرات کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

ابھی لاہور آئے بارہ تیرہ دن ہوئے تھے اور کام اچھی طرح قابو میں نہیں آیا تھا کہ گھر سے عزیزم انور جمال مرحوم کی بیماری کا خط آیا۔ وہ بچپن سے خنازیر کے خطرناک مرض میں مبتلا تھا اور اس زمانہ کی وسعت اور حیثیت کے لحاظ سے قاضی صاحب نے ہر طرح کا علاج کیا مگر اس میں کمی نہیں ہوئی۔ اسی حال میں چیچک نکل آئی اور آنتوں تک پھیل گئی۔ قاضی صاحب ۲۶/جنوری ۱۹۴۵ء کی شام لاہور سے چل کر ۲۸/جنوری کو دو پہر میں گھر پہنچے تو دیکھا کہ انور جمال اور اس کا بڑا بھائی خالد کمال دونوں شدید چیچک میں مبتلا ہیں۔ انور جمال ۲۸/فروری ۱۹۴۵ء کو انتقال کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر سات سال کی تھی۔ خالد کمال اس لائق نہیں تھا کہ اپنے بھائی کے جنازہ میں شریک ہو سکے یہ بچہ نہایت حسین وجمیل تھا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس سے بہت محبت کرتا تھا اور وہ بھی مجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ بڑا نازک مزاج اور نفاست پسند تھا۔ مجھے اس کے انتقال کا بہت زیادہ غم ہوا(۱)۔

قاضی صاحب مدرسہ احیاء العلوم کی مدرسی کے زمانے میں مالی اعتبار سے پریشاں خاطر

(۱) نفس المصدر، (ص ۵۵)

تھے۔مگر اس پریشاں خاطری میں بھی انہوں نے سلسلۂ شاعری کو جاری رکھا اور اس سے ان کی فکرِ سخن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔اس دور کے بارے میں قاضی صاحب اپنی فراغت کے بعد احوال''کاروانِ حیات''میں لکھتے ہیں کہ''اس دور میں تصنیفی وتالیفی ذوق کی تسکین نہ ہوسکی،نہ مضمون نگاری باقی رہ سکی۔البتہ شعروشاعری اپنے پورے عروج پر تھی تنگ دستی اور پریشاں خاطری میں فطری اور ذہنی پرواز میں کوتاہی نہیں آئی بلکہ اس میں تیزی اور توانائی آگئی''(۱)۔اس وقت میری شاعری جنون کی حدتک پہنچ گئی،اشعار اُبلتے تھے۔بعض اوقات چاروں طرف سے مجمع مجھے گھیر کر کہتا کہ ابھی ایک اور نظم کہو فلاح صاحب کے یہاں چندہ میں پڑھنی ہے اور میں اسی حالت میں اشعار کہتا،جوفوراً پڑھے جاتے تھے اور روپیہ برسنے لگتا تھا۔مولانا شکر اللہ صاحب بھرے مجمع میں خوب تشجیع فرماتے تھے(۲)۔

لاہور میں ان کے احباب کا ایک حلقہ بھی پیدا ہوگیا تھا۔جوشعر وادب سے دلچسپی رکھتا تھا اور اُردو شاعری کو نئی جہتوں سے آشنا کرنے کی فکر میں تھا۔علامہ انور صابری۔مولانا محمد عثمان فارقلیط احسان دانش،علامہ تاجور نجیب آبادی،ظفر ملتانی عشرت کرت پوری،اظہار اثر کرت پوری،سردار ہربنس سنگھ باغی،شیو پرساد بہار لکھنوی سے قاضی صاحب کے گہرے مراسم تھے۔آخر کے چاروں شاعر اکثر قاضی صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔فرصت کے لمحات میں شعری محفل جم جاتی تھی۔اس طرح قاضی صاحب کے تخلیقی ذوق کو مہمیز ہوتی اور وہ زیادہ دلچسپی کے ساتھ شاعری کو اپنے علم ووجدان کی دولتیں دینے لگتے تھے۔احسان دانش سے تو وہ چند برس پہلے ہی واقف ہوچکے تھے اور ان کے طرزِ سخن سے بھی متاثر ہوگئے تھے۔جیسا کہ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے:

قیامِ مبارک پور کا زمانہ میری شاعری کے شباب کا زمانہ ہے۔غزلیں اور نظمیں خوب کہتا تھا۔تغزل میں اصغر گونڈوی مرحوم سے زیادہ متاثر تھا۔ان کے دونوں دیوان''نشاطِ روح''اور

---

(۱) نفس المصدر،ص ۴۵۔

(۲) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک۔دائرہ ملیہ مبارک پور ۱۹۸۷ء،ص:۴۱

''سرودِ زندگی'' مطالعہ میں رہ چکے تھے۔نظموں میں احسان دانش کا تتبع کیا۔اسی کے ساتھ سیاسی نظمیں بھی کہتا تھا(۱)۔

قاضی صاحب احسان دانش سے متاثر تھے اور اپنی نظموں میں انہیں کے انداز وموضوعات سے استفادہ کرتے تھے۔مگر اس وقت قاضی صاحب کا کلام ضائع ہوجانے کی وجہ سے ان کی سیاسی وقومی اوردوسری موضوعاتی نظمیں پیشِ نظر نہیں ہیں کہ ان کا تفحص وتجزیہ کرکے اُن اثرات ومعکوسات کی نشاندہی کی جائے ۔مگر ایک دور ایسا بھی گزرا تھا۔جب ضلع اعظم گڑھ کے ذہن ودماغ پر جگر مرادآبادی،اصغر گونڈوی اور احسان دانش چھائے ہوئے تھے اوران کا جادو کام کررہا تھا۔جگر مرادآبادی۔اصغر گونڈوی عموماً اعظم گڑھ زیادہ آتے جاتے رہتے تھے اس لیے یہ دونوں ایک طرح سے یہاں کے لیے گھر کے شاعر بن چکے تھے۔

قاضی صاحب ایک دوسری جگہ احسان دانش کے اثرات اور بعد میں ان سے تعلقات کی نوعیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ''مولانا محمد عثمان فارقلیط کے بعد سب سے زیادہ تعلق حضرت احسان دانش سے تھا۔زمانۂ طالب علمی میں مرادآباد کے ایک ادبی رسالہ میں ان کی غزل چھپی تھی جس کا مطلع یہ تھا:

احسان وہ یاد آتے ہیں جب کیف تھا حاصل جینے میں
آنکھوں میں تبسم رقصاں تھا،ارمان بھرے تھے سینے میں

اس پوری غزل کو میں نے بار بار پڑھا اور اس سے متاثر ہوا۔اس کے چند مہینے کے بعد شبلی کالج اعظم گڑھ میں آل انڈیا مشاعرہ ہوا جس میں احسان دانش بھی آئے تھے میں اسی سال فارغ ہوا تھا۔دوستوں کے ساتھ مشاعرہ سننے کے لیے گیا جس میں انہوں نے اپنے خاص ترنم اور مخصوص انداز میں ''جشن بیچارگی'' سنائی۔جس میں ایک مزدور کی لڑکی کی رخصتی کا منظر تھا۔یہ ان کی خاص نظم

---

(۱) کاروان حیات-مشمولہ قاضی اطہر مبارک پوری نمبر-ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخو پور ضلع اعظم گڑھ،ص:۴۸

تھی۔ جس کو سامعین کے اصرار پر دوبارہ سنایا۔ ایک غزل بھی پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

پرسش غم کا شکریہ کیا تجھے آگہی نہیں
ترے بغیر زندگی درد ہے، زندگی نہیں

اس نظم اور غزل کو سن کر ہم لوگوں نے وہیں ان کی دو کتابیں ''نوائے کارگر'' اور ''آتشِ خاموش'' خریدی اور لاکر خوب خوب ان کو سنتے تھے اور سناتے تھے۔ مناظرِ قدرت کی عکاسی، تشبیہات، اشارات، کنایات، اور تمثیلات ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ میں ان سے متاثر بلکہ مرعوب تھا(۱)۔

قیام لاہور کی مدت مختصر ضرور ہے، مگر ان کی مزاج کی تشکیل میں بہت اہم ہے۔ قاضی صاحب نے لاہور سے بہت کچھ حاصل کیا۔ ان عناصر خمسہ (۱- قاضی اطہر مبارک پوری ۲- عشرت کرت پوری، ۳- اظہار اثر کرت پوری ۴- سردار ہربنس سنگھ باغی، ۵- شیو پرساد بہار لکھنوی) کے ظہورِ تربیت سے جو ایک علمی و شعری حلقہ بن گیا تھا۔ اس نے قاضی صاحب کو بنانے اور سنوارنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان لوگوں کی صحبت میں شعر و شاعری کا چرچا، انداز و معیارِ شاعری پر تبادلۂ خیالات، زندگی اور شاعری کے رشتوں پر مباحثہ، فن اور شخصیت کی ہم آہنگی پر گفتگو، شاعروں کے قدیم و جدید دبستانوں کے تذکرے ان کے ادبی ذوق کی نشونما اور ذہنی پھیلاؤ کے لیے بہت معاون ثابت ہوئے۔ اگر اس دور کی غزلیں اور نظمیں ضائع نہ ہوگئی ہوتیں تو آج اُن سے بہت سی اہم اطلاعات فراہم ہوسکتی تھیں اور قاضی صاحب کی شاعری کے لیے ایسے کئی پہلوؤں پر بحث ہوسکتی تھی، جن سے ان کی ذہنی و فکری جہات پر بھرپور روشنی پڑتی۔

قاضی صاحب نے کئی جگہ اپنی شاعری کے تعلق سے اظہارِ خیال کیا ہے، جس سے ثابت

(۱) نفس المصدر، ص ۶۳

ہوتا ہے کہ قومی وسیاسی نظمیں بھی ان کے موضوعات کے دائرے میں تھیں مگر اس نوع کا کلام اب دستیاب نہیں اور یہ بھی علم نہیں کہ کس طرح یہ سرمایہ تلف ہوا؟ قاضی صاحب کے موضوعاتِ سخن اور رنگِ شاعری کے بارے میں ان کے رفیق علمی اسیر ادروی کا بیان ہے کہ ''قاضی صاحب کے علمی سفر کا اغاز مذہبی واصلاحی شاعری سے ہوا یہ طالب علمی کا دور تھا۔ آزادی کی ساعت قریب آتی جارہی تھی ۔اس وقت ان کی نظموں کا تیور کچھ اور تھا اور آزادی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں پر جو قیامت گزری اس وقت کا درد وکرب، غم ویاس، احساسِ مظلومی وبیچارگی ان کی نظموں پر چھا گیا۔ آزادی کے فوراً بعد وہ بہرائچ چلے گئے ۔وہاں سے ہفتہ وار ''الانصار'' جاری کیا۔اس میں جتنی نظمیں شائع ہوئیں اس میں بلا استشناء ہر ایک میں وہی درد وکرب رچا بسا ہوا ہے۔چار پانچ برسوں کے بعد حالات میں کچھ ٹھہراؤ پیدا ہوا اور امید کی کرنیں کچھ نظر آنے لگیں تو ان نظموں میں اس کیفیت کا عنصر شامل ہو گیا''(۱)۔

مختلف ذرائع اور جدوجہد سے جو کچھ حاصل ہوسکا ہے اس سے یہ بات متبادر ہے کہ جدوجہد آزادی کے سلسلے میں، یا ہندوستانی قوم ومعاشرہ کی عکاسی کرنے والی جو قومی وسیاسی نظمیں تھیں، ان کے بیشتر حصے ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔خود قاضی صاحب کی تحریر سے بھی اس نوع کی شاعری کی تصدیق ہوتی ہے۔وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک کا یہ دور ہندوستانی سیاست میں بڑا ہنگامہ خیز گزرا ہے۔دوسری جنگ عظیم جاری تھی، ہندوستان کی آزادی کا عمل تیز تر ہو رہا تھا، پورا ملک فسادات اور سیاسی ہنگاموں کی زرم گاہ بنا ہوا تھا اور یہ دور میری مدرسی (احیاء العلوم مبارک پوری میں) کا ہے،جس میں پندرہ اور اٹھارہ روپے میں گزر کرنا پڑا۔گھریلو پریشانی الگ تھی، اس میں میری شاعری کا شباب تھا۔غزلوں میں ذاتی رجحانات کی عکاسی ہوتی تھی اور نظموں میں تحریک آزادی کا رنگ ہوتا تھا۔۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک میری

---

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری نمبر مجلّہ ترجمان الاسلام بنارس، ص:۲۷

غزلیں اور نظمیں سہ روزہ ''زمزم'' لاہور اور سہ روزہ ''مسلمان'' اور بعد میں ''کوثر'' لاہور میں مستقل طور سے شائع ہوتی تھیں۔کئی غزلیں اور نظمیں ''مدینہ'' بجنور میں بھی شائع ہوئیں (۱)۔

قاضی اطہر مبارک پوری جن دنوں لاہور میں قیام پزیر تھے اور اخبار ''زمزم'' کی ادارت سے منسلک تھے۔اس وقت لاہور میں بہت بڑے پیمانے پر انتہائی بھیانک ہندو مسلم فساد برپا ہو گیا تھا۔ ہر طرف آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی۔انسان انسان کا دشمن تھا، اخوت و یگانگت کے سارے رشتے ختم ہو چکے تھے۔شماتتِ ہمسایہ کا وقت آ گیا تھا، ذہن و دل سے اعتماد و یقین ختم ہو چکا تھا۔قاضی صاحب ان ایام میں بھی متحدہ قومیت کا درد دل میں سنبھالے ہوئے تھے اور قوم کی بربادی کا افسانہ شعری زبان واسلوب میں لکھ رہے تھے۔انہیں ہندو مسلم منافرت پر شدید ذہنی اذیت پہنچی تھی۔ وہ اس دور میں ہندو مسلم اتفاق واتحاد کے لیے قطعات کہہ رہے تھے خود قاضی صاحب کا بیان ہے کہ:

اس وقت لاہور میں (یعنی ۳/ مارچ ۱۹۴۷ء کو) نہایت شدید قسم کا ہندو مسلم فساد برپا ہو گیا تھا اور کئی دن تک قدیم شہر کا شمال مشرقی حصہ قتل وغارت اور آتش زنی کی آماجگاہ بنا رہا۔ اس وقت صرف روزنامہ ''زمزم'' کسی طرح چھپتا تھا کیوں کہ بھاٹی گیٹ کا علاقہ نسبتاً محفوظ تھا، میں ''زمزم'' میں اتحاد واتفاق کے لیے قطعات لکھتا تھا'' (۲)۔

قاضی صاحب نے کئی جگہ اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ فن شاعری اور مضمون نگاری میں میرا کوئی استاذ نہیں اور نظم ونثر دونوں میں میرا رہنما میرا ذوق ہوا،لیکن یہ بات لاہور جانے سے پہلے اور احیاء العلوم کی طالبِ علمی کے دور تک صحیح ہو سکتی ہے۔لاہور جانے کے بعد جب قاضی صاحب کے گہرے روابط اُردو کے مشہور مزدور شاعر احسان دانش سے ہوئے تو یہ تعلقات بڑھ کر استادی شاگردی تک پہنچ گئے اس لیے احسان دانش کا اپنی سوانح عمری ''جہانِ دانش'' کی جلد اول کے ص:

---

(۱) کاروان حیات، شمولہ قاضی اطہر مبارک پوری نمبر، ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخو پور ضلع اعظم گڑھ (ص:۴۵)۔

(۲) نفس المصدر، ص:۴۷۔

۳۷۹ پر یہ لکھنا کہ قاضی اطہر مبارک پوری فن شعر میں میرے شاگرد ہیں (۱)۔

بالکل درست ہے۔ اس کے علاوہ بھی احسان دانش نے قاضی صاحب کا ذکر اپنی آپ بیتی جہانِ دانش میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ جس سے ان دونوں کے درمیان مخلصانہ ودوستانہ تعلقات وروابط کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اپنے مضمون میں احسان دانش سے قاضی صاحب کے گہرے مراسم کی نوعیت وخصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''قاضی صاحب کے احسان دانش سے واقفیت وروابط ہوئے جو جلد ہی دوستی اور شاگردی میں تبدیل ہو کر اور گہرے ہو گئے تھے۔ شعر سخن میں قاضی صاحب احسان دانش کے باقاعدہ شاگرد ہو گئے تھے۔ تلمذ واستفادہ کا یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا۔ قاضی صاحب کی احسان دانش صاحب کے ساتھ مستقل مجلسیں جمتیں اور شعر وسخن کا دور چلتا تھا اور فنی، ادبی نکات پر گفتگو ہوتی۔ قاضی صاحب کا اکثر شام چار بجے احسان دانش کے یہاں جانے کا معمول تھا۔ وہاں سے عشاء کے بعد واپسی ہوتی اور کبھی کبھی رات میں بھی احسان صاحب کے پاس ٹھہرتے اور رات دیر گئے تک شعر وسخن کا چرچا رہتا'' (۲)۔

یہ بات بھی ثابت ہے کہ قاضی صاحب کے احسان دانش صاحب سے آخر تک روابط اور مسلسل خط وکتابت رہی۔ احسان دانش سے قاضی صاحب کے تعلقات علامہ انور صابری کی وساطت سے قائم ہوئے تھے۔ قاضی صاحب فراغت تعلیم کے بعد اپنے حالات ''کاروان حیات'' میں لکھتے ہیں ''پہلی بار لاہور میں ملے تو مجھے وہاں کے اکثر شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں سے ملایا، ایک تانگہ طے کیا اور کئی گھنٹے تک اسی پر لوگوں سے ملتے رہے۔ احسان دانش سے مل کر ان سے میرا تعارف بڑے شاندار الفاظ میں کرایا'' (۳)۔ اس کے بعد قاضی صاحب احسان دانش کے

---

(۱) بحوالہ قدیم ہندوعرب کے روابط وتعلقات کے ایک دیدور مؤرخ قاضی اطہر مبارک پوری۔ مولانا نوارالحسن راشد کاندھلوی۔ شمولہ قاضی اطہر مبارک پوری نمبر ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپورا اعظم گڑھ (ص:۱۸۷)

(۲) نفس المصدر، ص:۱۸۷ (۳) نفس المصدر ص:۶۳

بہت قریب آ گئے اور خصوصی ربط و تعلق شعری پیدا ہو گیا۔ قاضی صاحب خود لکھتے ہیں:

''اس کے بعد احسان دانش صاحب سے اتنا زیادہ ربط وضبط بڑھا کہ دن میں جب بھی موقع ہوتا مزنگ گندم منڈی میں ان کے یہاں چلا جاتا تھا اور یہ معمول تھا کہ رات کو مزنگ میں احسان صاحب کے یہاں ہم لوگ جمع ہوئے اور گیارہ بجے وہاں سے واپس آتے''(۱)۔

''اذانِ کعبہ'' کے عنوان سے جامع مسجد کے چندہ کی جو نظمیں علیٰحدہ بیاض میں درج کی ہیں اس میں انہوں نے موقع ومحل کے اعتبار سے تبدیلی کی ہے۔ بعض مقامات میں ترمیم کر کے تخصیصی پہلو میں تعمیمی صورت پیدا کر دی ہے۔ اس طرح جو نظم کسی مخصوص مسجد کے لیے تھی وہ عام مسجدوں کی تعمیر و بناء کے جذبات پیدا کرنے کی اہل بن گئی ہے۔ بعض جگہ ایک ذرا سی ترمیم نے شعریت بڑھا دی ہے یا کسی فوری جذبہ کی قوت اثر کو بڑھا کر اس کی مدتِ تاثیر کی توسیع کر دی ہے۔ اس بیاض کی ایک نظم کا ایک بند اس طرح تھا۔

بڑھاؤ دین کی شوکت بڑھاؤ
کماؤ دولت عقبیٰ کماؤ
بناؤ مسجدوں کو تم بناؤ
بلاؤ روح حاتم کو بلاؤ
یہاں ہمت دکھائی جا رہی ہے

قاضی صاحب نے اس کے تیسرے مصرع کو بدل کر یوں کر دیا ہے۔

بناؤ مسجد و منبر بناؤ

مگر اپنی خود نوشت سوانح عمری ''قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک'' میں اس مصرع ثالث کو مصرع اول قرار دے کر انہوں نے اس طرح لکھا ہے:

---

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری نمبر۔ ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ (ص: ۶۴)

بناؤ جامع مسجد بناؤ

بڑھاؤ دین کی شوکت بڑھاؤ

کماؤ دولتِ عقبیٰ کماؤ

بلاؤ روحِ حاتم کو بلاؤ

یہاں ہمت دکھائی جارہی ہے

اس مجموعہ میں قاضی صاحب کی مکمل ونامکمل ۶ نعتیہ کلام شامل کیے گئے ہیں۔ جس میں ایک نعت فارسی زبان میں بھی ہے۔ یہ فارسی نعت ''قاضی اطہر مبارک پوری نمبر'' مجلّہ ''ترجمان الاسلام'' بنارس اکتوبر ۱۹۹۶ء تا مارچ ۱۹۹۷ء اور ''قاضی اطہر مبارک پوری نمبر'' ماہ نامہ ''ضیاء الاسلام'' شیخوپور ضلع اعظم گڑھ اگست تا دسمبر ۲۰۰۳ء میں شامل ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب وتبویب کے وقت قاضی صاحب کے کاغذات میں ایک پرانے کاغذ پر قاضی صاحب کے قلم سے لکھی ہوئی یہ نعت الگ سے مل گئی، جس میں کچھ اشعار کا اضافہ اور کچھ قلم زد تھے۔ اشعار کی ترتیب میں بھی باقاعدگی نہیں تھی۔ اس کی مدد سے مذکورہ بالا دونوں نمبروں میں شائع شدہ نعت کے اشعار میں اضافہ کردیا گیا ہے۔ اسی طرح باقی پانچ اردو نعتیہ کلام مختلف مآخذ کی مدد سے شاملِ مجموعہ کی گئی ہیں۔ بعض نعتوں میں بعض دوسرے مآخذ کے تعلق وحوالہ سے اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

اس مجموعہ میں شامل دوسری نعت قاضی صاحب کی ابتدائی مشق کے دور کی لگتی ہے یہ نعت قاضی صاحب کے شاگردِ رشید مولانا قاری انوارالحق مبارک پوری کی ایک قدیم اور مخدوش اول وآخر واوسط ناقص بیاض میں ملی ہے۔ قرآئن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نعت طویل تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وحیات کے مرحلہ وار تذکرہ سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر بیاض انوار کے اوراق ضائع ہوجانے کی وجہ سے پوری نعت شامل نہیں کی جاسکی اس میں شامل تیسرا نعتیہ قصیدہ ہے قاضی صاحب کی بیاضِ خُرد سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ اس نعتیہ قصیدہ میں ان کا اضافہ کرنے کا خیال تھا، اسی

لیے انہوں نے اس میں کچھ قطع و برید کی تھی۔ میں نے ترمیم کرنے کی یہ جرأت و گستاخی کی ہے کہ درمیان میں قاضی صاحب کا قلم زد مقطع والا مصرع بحال کر کے اس کو آخر میں بطور مقطع درج کر دیا ہے قاضی صاحب نے اس طرف توجہ کی فرصت پائی ہوتی تو شاید اس نعتیہ قصیدہ کی صورت کچھ اور ہو گئی ہوتی۔

نعت تمام اصنافِ شاعری میں اہلِ ادب واحترام اہلِ علم کی نظر میں نہایت مُشکل پُل صراط ہے جس میں اگر ادب واحترام کی شرطوں کی پاسداری نہ کی گئی تو عاقبت بگڑ جانے کا خطرہ ہے۔ ذکر اوصاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مقامِ توحید ورسالت اور حدِّ بشریت وحدیت کا امتیاز ختم نہ ہو جائے۔ اسی کے ساتھ اس کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ رسالت اور عام بشریت کے درمیان بھی حد فاصل قائم رہے۔ ایسا نہ ہو کہ منصبِ نبوت عمومی بشریت کے درجہ میں آجائے۔ اسی کے ساتھ لہجہ و تاثر کا تقدس، خیالات وجذبات کی پاکیزگی، عقیدت وشفتگی میں طہارت فکری کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے اور جب تک اسلوب وبیان پر شاعر کو قدرت نہ ہو ان سب لوازم کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

ادب گاہیت زیر آسماں ازعرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

مولانا احمد رضا خاں بریلوی جو خود بھی نعت کے اچھے محتاط اور خوش فکر شاعر ہیں۔ نعت نگاری کے آداب اور اس کی مشکلات پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ”نعت شریف لکھنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مرادف ہے کیوں کہ شاعر اگر نعت میں بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ حمد باری تعالیٰ میں تو اصلاً حد نہیں، راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھتا جائے، مگر نعت میں دونوں جانب حد بندی ہوتی ہے۔“

اس کسوٹی پر قاضی اطہر مبارک پوری کی نعتوں کا مطالعہ اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ قاضی

صاحب کی نعتیں اپنی خصوصیات وامتیازات، خیالات وجذبات، ارتعاشات واہتزازات، فکر وخیال، عقیدہ وعقیدت شائستگی وشستگی، متانت وسنجیدگی، زبان وبیان، رنگ وآہنگ، گفتار واسلوب کے اعتبار سے خصوصی توجہ کی طالب ہیں۔ ان میں ذکر وفکر کی جو احتیاط ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔

قاضی صاحب کی شاعری کے موضوعات میں اصلاحی نظموں کا پلہ بھاری تھا۔ وہ نعت کم کہتے تھے۔ ان کے دوست مولانا نظام الدین اسیر ادروی کا بیان ہے کہ ''ان کی شاعری اصلاحی نظموں تک محدود تھی۔ کبھی کبھار کوئی نعت لکھ دیتے تھے'' (۱)۔

قاضی صاحب کی شاعری کا آغاز اصلاحی ودینی نظموں سے ہوا تھا مگر ان کو غزل کی روایت نے اپنی طرف خاص طور سے متوجہ کیا اور بعد کی شاعری میں اس کا وافر حصہ ہے۔ بہت کچھ ضائع ہو جانے کے بعد بھی ان کی بیاض میں غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کے بعد نظموں کی مقدار ہے قاضی صاحب نے جوانی تک غزلیں آسان اور عام فہم لب ولہجہ میں خوب کہیں۔ ان کی بحریں چھوٹی چھوٹی اور رواں ہوتی تھیں۔ غزلوں کا انداز محاکات واستعارات اور تاریخی ودینی تلمیحات وتشبیہات سے عموماً خالی ہوتا تھا۔ قاضی صاحب کی غزلوں میں اندرونی وظاہری دونوں صورتوں میں بتدریج تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں۔ ابتدائے شاعری میں ان کی غزلوں کا رنگ مقلدانہ اور مقتدیانہ ہے۔ زبان میں بھی خشکی اور لڑکھڑاہٹ ملتی ہے۔ شاعری کی مشق جیسے جیسے بڑھتی گئی ان کے فن میں بھی نکھار آتا گیا۔ پہلے آورد کی شان تھی بعد میں آمد کی کیفیت پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے تاثرات اور ذائقہ سخن میں بھی اضافہ ہوا۔ ان کی غزلوں پر بحث کرتے ہوئے اسیر ادروی نے لکھا ہے کہ:

''ان کی کچھ غزلیں پاکیزہ اور دلکش ہیں لیکن اس کا بڑا حصہ سادگی بیان اور سادگی زبان کی وجہ سے دلکشی وجاذبیت سے عاری ہے سچی بات یہ ہے کہ یہ قاضی صاحب کا فن نہیں تھا اور نہ ان کی ذہنی ساخت غزل کی شاعری کو قبول کرتی تھی۔

---

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری نمبر۔ ترجمان الاسلام بنارس، ص: ۴۰

غزل کی شاعری کے لیے حسن پرستی، تھوڑی سی ذہنی وفکری آوارگی کی ضرورت ہے تبھی وہ مضراب بن کر دل کے تاروں کو چھیڑ سکتی ہے۔ تخیل کی بلند پروازی، محاکات کی رنگ آمیزی، طرز اظہار کی شوخی کے تام جھام کے ساتھ جب عروسِ غزل جلوہ افروز ہوجاتی ہے تبھی اس کی جانب فکر ونظر کی نگاہیں اٹھتی ہیں''۔(۱)

قاضی صاحب اپنی افتادِ طبع اور ذہنی میلان وفکری رجحان کے اعتبار سے شاعروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو شاعری کو چھیڑ چھاڑ شوخی وسرمستی، رندی وشاہد بازی اور عشق وعاشقی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے جس کے یہاں محبت ورندی ہی سارے مسائل کا حل نہیں ہے۔اس سے پرے ہوکر بھی زندگی کو دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔قاضی صاحب کی غزلیں اس طرح کے بحر سے خالی ہیں۔مگر اس کے باوجود ان میں جو شعری آہنگ اور جذبات کی تیزی ہے، وہ اگرچہ سادگی زبان وبیان کو لیے ہوئے ہے، اپنی تاثیر کے اعتبار سے اس کا بھی ایک خاص اندازِ اعجاز ہے۔

قاضی صاحب عملی مزاج اور طبعیت رکھتے تھے۔اس لیے جب وہ اپنی معاشی پریشانیوں میں تعلیمی فراغت کے ابتدائی ایام میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ان کی اسی عملیت نے ان کے دل ودماغ اور قویٰ کو اضمحلال وضعف سے بچایا اور ان کی عملی تحریک کو توانائی بخشی۔زندگی کی بے اطمینانی، خوابوں کی شکست آرزوؤں کی نا آسودگی اور ناتمامی نے ان میں ذہنی انتشار پیدا کیا۔ان کی طبعیت میں ایک خلش اور اضطراب کو جنم دیا۔لیکن ان کی عملی تحریک اور کچھ کر گزرنے کی خواہش نے انہیں خلشِ غم اور اضطرابِ قلبی سے غیر معتدل انداز میں مغلوب نہیں ہونے دیا۔انہوں نے غمِ روزگار کے اثرات کو محسوس کیا مگر ان اثرات نے انہیں مفلوج نہیں کیا۔ان کی طبیعت نے اس غم واندوہ کو اس طرح قبول کیا کہ انفعال کی کیفیت کو اثباتی پہلو مل گئے۔جس کے نتیجے میں ایک تخلیقی قوت ابھری۔جس نے ان کی زندگی کی سمت ورفتار بدل کر رکھ دی اور اس قوت کے سہارے بہت سے

(۱) نفس المصدر، ص:۴۰

جہانِ تازہ کے دروازے ان پر کھل گئے۔اسی احساس کے تحت وہ اپنے رب کے حضور دعائیہ رنگ میں یہ شعر کہتے ہیں:

اثر ہے مضمحل جس کی جدائی میں زمانہ سے
عنایت ہو مجھے ایسا کوئی رنگِ فغاں ساقی
خلش کھینچے لیے جاتی ہے ان کی جانب منزل
انہیں روندے ہوئے ذروں کو میرِ کارواں کہیے
گزرتی ہے گراں اتنی بھی سُبکی طبع غیرت پر
سرِ ساحل نہ ہم طوفانیوں کی داستاں کہیے

قاضی صاحب نے شاعری ترک کرنے کے بعد اپنی تمام تر توجہ اپنے اصل میدان نثر نگاری پر صرف کردی اس طرح ان کی شاعری عہدِ جوانی کی یادگار ہے، لیکن ان کے شعری سرمائے میں جوانی کم ہی ہے جوانانہ سرمستی اور شباب آور جذبات کے بجائے اس میں ایک بزرگانہ سبق آموزی کا رجحان نظر آتا ہے۔میرے ان جملوں پر کوئی معترض ہو کر یہ نہ کہے کہ قاضی صاحب کے کلام میں غزلیہ وخمریہ رنگِ سخن بہت نمایاں ہے اور حسن وعشق کی داستانوں کی شورانگریزی کی چھاپ جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ان کے یہاں بھی اس قسم کے اشعار اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں:

اُن کے معصوم وحسیں ابر ومژگاں کی قسم
خود ہمیں دل کو لیے تیغ وسناں تک پہنچے
شراب وجام وساقی وخمار سب ہیں منتظر
شراب وجام وساقی وخمار بن کے آئیے
قسم ہے زلف وخال کی برآئے آہوانِ نجد
شکار کو نہ آئیے شکار بن کے آئیے
تمہاری یاد کو دل سے لگائے بیٹھے ہیں

ہم اپنے آپ کو دشمن بنائے بیٹھے ہیں
مجھ کو رنگیں خیال نے مارا
آرزوئے وصال نے مارا
آہ دامن بچا کے مقتل میں
اس قیامت کی چال نے مارا
اِک نظر دیکھ لو جاتے جاتے
اِک شگفتہ کلی چھوڑ جاؤ

مجھے پہنچا دیا اپنوں نے غم کی ایسی منزل میں
جہاں رہتا نہیں دردل حسابِ دوستاں ساقی

دسری جگہ کہتے ہیں:

یہ میری زندگی اے کاش افسانہ ہی بن جاتی
یہ افسانے میں اُن کے تذکرہ میرا کہاں آیا؟

انہوں نے ایک اور مقام پر بڑے نکتے کی بات کہی ہے:

جو جینا ہے تو جی جاؤ جو مرنا ہے تو مرجاؤ
بہر صورت اب اس دور نحوست سے گزر جاؤ
جگا دو بستر غفلت پہ دیکھو کون سویا ہے
بساطِ ہند پہ اک محشرِ امروز برپا ہے

عرفانِ ذات کا اس سے بہتر اور کیا سبق ہوگا:

معلوم ہے حقیقت گلہائے رنگ وبو
ذوقِ نظر خراب کیے جا رہا ہوں میں

امواجِ زندگی کا تلاطم ہی ہے سکون
ہر موج کو سراب کیے جارہا ہوں میں

غزل کے ایک شعر میں حالات و زمانہ کی ہر سبک گام اور تیز رفتار حقیقت کو اپنی نگاہِ نکتہ بیں کی گرفت میں رکھنے کی صلاحیت کو وہ یوں ظاہر کرتے ہیں:

وسعت نگاہِ شوق کی محدود کیوں کروں؟
جلوؤں کو بے پناہ کیے جارہا ہوں میں

قاضی صاحب کا عرفانِ ذات اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ حالات و کوائف کے جبر میں تاویل کی گنجائش پیدا کرلیتا ہے۔اس طرح تخریب میں تعمیر کا پہلو اور زجر و توبیخ میں پیار کا رچاؤ،ان کی شاعری کے رجائی اور شخصیت ساز عناصر کو اعتبار و اثبات عطا کرتا ہے۔ان کی شاعری ایک ایسے بندۂ مومن کا نغمۂ دل ہے،جس نے اپنی امیدیں بڑی سے بڑی آزمائش میں اپنے رب سے وابستہ کررکھی ہیں اور رنج و بلا کو انعام خداوندی سمجھ کر برملا اظہار شکر کرتا ہے اور کہتا ہے:

گھبرا نہیں سکتا ہوں مصیبت سے، بلا سے
جب دل ہے تو سو رنج و بلا میرے لیے ہے

پھر مقامِ آدمیت کی وضاحت کرتے ہوئے اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ خدا کے وجود و اثبات کی سب سے بڑی گواہی خود انسان کا وجود ہے۔ساری کائنات میں انسان ہی مقصودِ کائنات ہے۔انسان اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود خداوند کریم ،کا مطلوب و محبوب ہے۔ اسی لیے اس کے واسطے نفس و آفاق کی ساری نعمتیں وجود میں آئیں اور قدرت نے اسباب میں تمام ترفیاضیوں کا مظاہرہ کیا:

گراں کے لیے ہوں میں کونین کی دولت
سب میرے لیے ہے بخدا میرے لیے ہے

میرے ہی سبب روشنی شمعِ ازل ہے
فانوس محبت میں جلا میرے لیے ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ رحیم وشفیق ہے۔ ارتکاب جرم پر اُس کا غیض وغضب اور زجر وتوبیخ بھی اپنی تہ میں رحمانی صفات رکھتی ہے۔ اس کی خفگی کا راز یہ ہے کہ بندہ اس کی رحمتوں اور نعمتوں کی ارزانی پر نگاہ کر کے اپنے کیے پر نادم ہو جائے اور اسی راہِ ہدایت پر چلنے کا تہیہ کر لے، جو مرضیِ مولا کی بتائی ہوئی ہے خدا کی عقوبت بیمار ذہنِ انسانی کے لیے شفا ہے۔ اس کی ناراضگی بندے پر رحمت کا دروازہ وا کرنے کے لیے ہی ہے:

صد فخر ہے، صد ناز ہے مجھ کو سرِ محشر
گر میرا خدا مجھ سے خفا میرے لیے ہے

کسی عارف نے کہا ہے ''رحمتِ حق بہانہ می جوید بہانمی جوید'' یعنی رحمان کی رحیمی گنہگاروں کی بخشش ومغفرت کے لیے حیلے بہانے ڈھونڈھتی رہتی ہے، بندوں کی سزایابی اس کو منظور نہیں وہ ارحم الراحمین ہر حال ہر رنگ میں اپنی شانِ غفاری کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے بندوں کی لغزش پر اُسے پیار آ جاتا ہے:

رحمت نے پکارا مجھے بے مایہ سمجھ کر
یہ میرے گناہوں کا صلہ میرے لیے ہے

قاضی صاحب نے جب شاعری شروع کی تو کوئی نہ کوئی شعری نمونہ ان کے سامنے رہا ہوگا۔ ظاہر ہے بحر ووزن اور اندازِ بیان میں اُس کا کچھ نہ کچھ تتبع ضرور کیا ہوگا۔ ان کے کلام میں بحر ووزن کا جو انتخاب ہے اس کے مطالعہ سے ایک تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پرائمری کی تعلیم میں اسمٰعیل میرٹھی، حالی، اقبال اور بچوں کے دوسرے شاعروں کی مناجات، نظم وغیرہ نصابی کتابوں میں پڑھیں۔ اُن سب کے صوت وآہنگ کا اثر ان کی حسِ ترنم کی تشکیل اور صوتی نظام کی

ترتیب میں بہت نمایاں طور پر پڑا ہے اور وہ کبھی اس سے اپنے شعر کہنے کے ایام میں بچ نہیں سکے۔ انہوں نے اس دور میں پڑھے ہوئے نصابی کلام سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں مختصر بحروں، رواں اور مترنم اوزان ہی کا انتخاب ہوا ہے وہ حسی تھکن پیدا کرنے سے بچتے تھے۔

قاضی صاحب کی شاعری کے موضوعات میں بہت تنوع اور رنگارنگی تھی۔ ان کی شاعری کا محور زندگی کی جدلیت تھی۔ وہ زندگی کی سرگرمیوں سے فنی سروکار رکھتے تھے اور مواد و موضوع کی تلاش کے لیے انہیں انسانی معاشرہ میں راہ عمل سجھائی دیتی تھی۔

قاضی صاحب کی شعر و شاعری کے بال و پر نکلنے کے دور میں ہندوستان کے سیاسی مطلع پر بہت سی قومی تحریکیں اپنی ہنگامہ آرائیوں اور رنگینوں کے ساتھ نمودار ہوئیں اور انسانی زندگی کو متاثر کرنے لگی تھیں۔ قاضی صاحب بھی اپنی نظم نگاری کو زندگی کی ان کروٹوں کی تصویر کشی کے لیے ساز گار ماحول فراہم کرنے لگے اور شاعری کے موضوعات میں قومی و سیاسی پہلو کا اضافہ کر کے اپنی فکر وفنی بیداری کا ثبوت دینے لگے۔ قاضی صاحب کی سیاسی نظموں میں ایک نظم ''جمعیۃ العلمائے ہند'' بھی ہے جو بارہ اشعار پر مشتمل بصورتِ غزل ہے۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۴۷ء میں کہی گئی اس نظم میں مولانا حسین احمد مدنی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ مسلمانوں کو ذوق عمل پر اُبھارا گیا ہے۔ ان اشعار کے خون گرمانے والے اور جوش دلانے والے تیور ملاحظہ ہوں:

چلو اٹھو، بڑھو حملہ کرو، باطل سے ٹکراؤ
اُگیں کشتِ وفامیں غازیان دیں کی للکاریں
جب آجاتیں ہیں قصر کفر کی مضبوط دیواریں
خیال دوری منزل سے رک جاتی ہیں جب راہیں
کہ میر کارواں کی دم بخود ہوتی ہیں گفتاریں

اس کے بعد مولانا حسین احمد مدنی کی قیادت پر اعتماد کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے:

حسین احمد امیر کارواں ہیں اہل ہمت کے
جو دشواری سے گھبرائیں نہ کچھ دوری سے جی ہاریں
ہزاروں مرحلے باقی ہیں مردانِ محمد کے
پس دیوار مستقبل ہیں جانے کتنی یلغاریں
ہے اطہر روح مذہب اصل میں جمعیۃ علماء
ہیں جس کے دم سے قائم ہند میں ملت کی دیواریں

قاضی اطہر مبارک پوری نے یہ نظم ۲۰ رنومبر ۱۹۴۷ء کو کہی ہے۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ قاضی صاحب اپنی تعلیم کے زمانے میں ہی جمعیۃ العلماء سے متاثر ہو چکے تھے۔ مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور تحریکِ آزادی کی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز تھا۔ انہوں نے اپنی نظم ''اشارات'' میں غزلوں کا لہجہ اختیار کیا ہے مگر اس میں سیاسی شعور کی جھلکیاں شامل ہوگئی ہیں یہ نظم ایک قومی مرثیہ کی حیثیت سے مطالعہ کی چیز بن گئی ہے۔ اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

زمانہ کے تغیر سے ہوئی یوں عام بربادی
کہ ویرانہ ہے ویرانہ، نہ آبادی ہے آبادی

اس کے بعد کے اشعار میں آپ بیتی کی شکل میں جگ بیتی کا رنگ ملتا ہے اور اس دور میں مسلمانوں کی تباہی کا جو نقشہ تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعر کی زبان میں داستان درد بیان ہوتی ہے:

نظر اٹھتی ہے جس جانب، ہے بربادی ہی بربادی
سلیقے کی اسیری ہے، قرینے کی نہ صیادی

نہ پوچھو ہم دمو! ہم بے کسوں کی وجہ بربادی
کہ آکر اس جگہ خاموش ہوجاتے ہیں فریادی

اس کے بعد ایک شعر میں ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں والا نظریہ پیش کر کے اپنے دردِ دل کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

بسا اوقات عرفانِ قفس کی سرد آہوں سے
وبالِ جان بن جاتی ہے صیادوں کی صیادی

یہ نظم مارچ ۱۹۴۷ء میں موزوں ہوئی ہے، جو ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ فسادات کی تباہی کا زمانہ ہے۔

قاضی صاحب نے اپنی ایک دوسری نظم میں اپنے نظریۂ حیات کو اور کھل کر بیان کیا ہے۔ ان کا شعر ہے:

ہوں امن و صلح کا داعی مسلماں نام ہے میرا
مگر باطل کی گردن کاٹ لینا کام ہے میرا

قاضی صاحب اپنی نظموں میں تاریخِ اسلامی سے بڑی مدد لیتے ہیں۔ وہ اس بحر کے غواص ہیں۔ اس لیے اس دریا کی تہ میں اتر کر بڑے آبدار موتی نکال لاتے ہیں، ان کی نظمیں ان کی قدرتِ کلام پر شاہد ہیں۔ وہ لفظوں کے انتخاب میں بھی حسنِ سلیقہ کا ثبوت فراہم کرتے ہیں غزلوں کی طرح نظموں میں بھی سادہ و شیریں اور سہل و عام فہم زبان کا استعمال ملتا ہے۔

ان کی ایک نظم ''امیری اور مفلسی'' ہے۔ اس نظم میں قاضی صاحب کی قوتِ مشاہدہ زندگی کی موجِ تہ نشیں کو دیکھ رہی ہے۔ مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد وہ اپنے رب کے حضور دعا گو ہیں کہ:

یا خدا افلاس کو تو وجہ بربادی نہ کر
یہ تری نعمت ہے اس کو وقف نا شادی نہ کر

ان کی ایک نظم صبح آزادی ہے، جس میں آزادی کی صبح کا تذکرہ اور جشن جیسی کیفیت کا بیان ملتا ہے۔ اس نظم میں انہوں نے وطن کے لیے قربانیاں پیش کرنے والوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور کہا ہے۔

لیے عزمِ جواں مردی، لٹا کے اپنا تن من دھن
ہمارے جاں نثار وں نے سجائی صبحِ آزادی
کیا آباد زنداں کو، کبھی دارورسن چوما
لگائی جان کی بازی تو آئی صبحِ آزادی
نشاں باقی ہیں اب تک گولیوں کے سینوں پر اطہرؔ
بہا کر خون اپنا ہم نے پائی صبح آزادی

ایک نظم اس مجموعہ میں ''جنگی جہاز'' کے عنوان سے ہے موضوع کے اعتبار سے یہ جنگِ عظیم کے وقت کہی گئی نظم لگتی ہے۔ اس میں انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کی تباہی اور تہذیبی قدروں کی پامالی، اخلاق سوزی اور برہنہ رقص ابلیسی پر اظہار افسوس کیا گیا ہے، یہ نظم اس حقیقت کی غماز ہے کہ جب انسان اپنی تہذیب کی جڑ سے پیوستہ نہیں رہتا اور مذہبی و اخلاقی قدروں کو پائمال کر دیتا ہے تو وہ ہزاروں لباسِ تمدن اور قوتِ تسخیر کے باوجود دلوں پر راج نہیں کر پاتا۔ وہ درندہ بن جاتا ہے اور اپنے مفادات کی قربان گاہ پر قد آوروں کی صلاحیتوں کو بھی ذبح کر کے تمدن کا چلتا پھرتا مزار بن جاتا ہے۔ اس کے کاندھے پر انسانی ترقیات کی متاعِ گراں بہا کا بوجھ نہیں بلکہ تاریخ کا جنازہ ہوتا ہے۔ اس نظم میں انہوں نے تہذیبِ جدید کی برہنگی و درندگی پر تبصرہ کیا ہے۔ شعر ملاحظ ہو:

پیکرِ ناز و ادا پہ کیا مصیبت آگئی
اُف برہنہ تن، نئی تہذیب کی آوارگی
جل گیا بھیک سے رُخِ تہذیب کا رنگیں نقاب
کس قدر مکروہ و بدصورت ہے یورپ کا شباب

قاضی صاحب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہمت شکن حالات میں بھی امید وبیم کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔وہ یاسیت میں بھی قنوطیت کے عنصر کو تلاش لیتے ہیں۔یہاں بھی ان کا رجائیت میں رچا ہوا لہجہ ملاحظ ہو:

وقت کہتا ہے یہ قومیں اب فنا ہوجائیں گی
قعرِ ذلت مین ابد تک کے لیے سوجائیں گی
وقت کی لائی قضا اک لمحہ ٹل سکتی نہیں
وقت کے آگے کوئی تدبیر چل سکتی نہیں

جاڑے کا زمانہ تھا، نومبر کا مہینہ
سیال فضاؤں میں تھا۔ خنکی کا سفینہ
تنویر کے دربار میں تھی رات کی رانی
تھی چاند پہ چھائی ہوئی بھرپور جوانی
رگ رگ میں سمانے لگی الفت کی کہانی
ڈھلنے لگے الفاظ کے کالم میں معانی
اس حال میں دل عہد جواں ڈھونڈ رہا تھا
کھوئی ہوئی الفت کا نشاں ڈھونڈ رہا تھا

قاضی اطہر مبارک پوری نے منجملہ اور اصناف کے مرثیہ بھی کہا ہے۔یہ مرثیہ واقعاتِ کربلا سے

متعلق نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے بزرگوں اور عزیزوں کی وفات سے متاثر ہو کر مرثیے کہے ہیں۔

قاضی اطہر مبارک پوری کے دستیاب مرثیوں کی تعداد صرف چار ہے۔ جس میں ایک عربی مرثیہ بھی ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات پر کہا گیا ہے ان کا ایک مرثیہ مولانا شکر اللہ مبارک پوری صاحب سے متعلق ہے۔ چونکہ اس کا براہِ راست تعلق مولانا شکر اللہ کی وفات سے نہیں ہے، لیکن اس کے جو موضوعات، اس کی زیریں لہریں اور اندرونی آہنگ ہیں ان کا تعلق، ان کی ادھوری چھوڑی ہوئی قوم سازی اور دینی ماحول بنانے کی مہم کا وہ حصہ ہے جس نے مبارک پور کی دینی سمت و رفتار کو نت نئی کروٹوں کا احساس دلایا ہے۔

یہ نظم اس وقت کہی گئی تھی جب کہ جدید جامع مسجد مبارکپور (اعظم گڑھ) کے بانی استاذ محترم مولانا شکر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما چکے تھے اور مسجد مذکور ادھوری پڑی ہوئی تھی (اطہرؔ)

فدائے قوم و مذہب، ملّتِ بیضا کا دیوانہ
مہِ چرخِ ہدایت یعنی شکر اللہ مولانا

بنائے مدرسہ کو جس نے پہنچایا ثریا تک
اسی ساقی نے بخشا ہم کو علم دیں کا پیمانہ

گیا بھی کاروانِ گم شدہ کی رہبری کر کے
مگر اس مردِ خود آگاہ کو ہم نے پہچانا

بنایا جامع مسجد کو جس نے مقصدِ ہستی
رہا فکرِ حسیں میں لذتِ دنیا سے بے گانہ

پھڑک جاتا ہے گلشن میں ابھی خلد آشیاں طائر
حریمِ قدس میں آتی ہے جب یادِ خدا خانہ

نئی راہیں کھلیں جن کی نگاہوں کے اشارے سے
ہوئیں وہ بند آنکھیں اور ہم کو دور ہے جانا

جہاں شمعیں جلائی ہیں، وہ گلیاں اب بھی روشن ہیں
مسلماں اب بھی رہتے ہیں وہاں پر مثل پروانہ

وہ اندازِ نظر، وہ طرزِ بنیش ہم کہاں پائیں
مگر ہر ایک ہم میں ہے اسی محفل کا پروانہ

نظر خونبار ہے، مرحوم کی پھر یاد آتی ہے
کہے جاتی ہیں آنکھیں اپنی ناکامی کا افسانہ

مسلمانو! یہ تکمیل بنائے جامعِ مسجد
انہیں کی آرزوئے زندگانی کا ہے برلانا

ہمیں اور آپ کو، اللہ کا یہ کام کرنا ہے
نہ خود وہ ہیں، نہ ان کا جوش ہے، نہ ان کا فرمانا

خیال حضرتِ استاذ دل سے جا نہیں سکتا
مجھے اطہرؔ بہت کچھ دے گئے ہیں میرے مولانا

باب پنجم

علماء سے روابط، اعزازت خطوط مشاہیر بنام قاضی صاحب

علماء سے روابط:

قاضی اطہر مبارکپوری نے ہر طبقۂ فکر کے علماء سے ذہنی وابستگی کا سلسلہ رکھا اور ان کے اکتسابات وافادات سے بڑا فائدہ اٹھایا جن اہلِ علم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی ذہنی وفکری تشکیل ہوئی، ان کا ذکر انہوں نے اپنی خودنوشت میں جابجا نہایت انبساط ونشاط کے ساتھ کیا ہے۔ جو ان کی کشادہ دلی اور احسان شناسی کا زبردست ثبوت ہے اور اسی کے ساتھ ان کی تصنیفی وتالیفی بلند اخلاقی وعظمتِ کردار کا روشن منظرنامہ بھی ہے۔

اس سلسلے میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب مرحوم کی یہ شہادت قابل توجہ بھی ہے۔ قاضی صاحب بڑے فراخ دل کشادہ قلب، اور وسیع المشرب تھے۔ ان کے دل میں ہر طبقہ ومسلک اور ہر مذہب وملت کے لوگوں کے لیے یکساں گنجائش تھی تعصب، تنگ نظری، تحزب اور فرقہ آرائی کی لعنتوں نے ان کے قلب کو داغدار نہیں کیا تھا وہ ہر طبقۂ فکر اور ہر حلقۂ خیال کے لوگوں کے ساتھ نشست وبرخواست رکھتے تھے اور ان کے اصحابِ فضل وکمال کی قدر کرتے تھے۔ ان کو عظمت وبلندی کا نقش اور شرافت ومحبت کا جلوہ جہاں بھی دکھائی دیتا اس کے سامنے بلا امتیاز فرقہ وقوم اپنی جبینِ نیاز خم کردیتے تھے(۱)۔

مبارک پور کے اہل علم عالموں میں ملا رحمت علی اپنی عربی شاعری اور ادبیت کی وجہ سے

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری نمبر۔ ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور ضلع اعظم گڑھ (ص:۲۸۶)

بڑا اہم درجہ رکھتے تھے وہ زمانے تک بوہرہ جماعت کی ایک قوم کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے ان کے بارے میں مولانا اپنے تاثرات اور اپنے تعلقات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

وہ اپنا مذہبی لباس آخر تک استعمال کرتے رہے۔ چونکہ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب وشاعر تھے اور عرب ممالک کی سیر وسیاحت کر چکے تھے۔ اسی لیے ان کی مجلس بڑی معلوماتی ہوتی تھی۔ میں طالب علمی کے زمانے میں ان کے یہاں زیادہ آتا جاتا تھا۔ وہ مجھ سے بڑے بے تکلف ہوگئے اور مجھ پر پورا اعتماد رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی خاص مذہبی کتابیں جو لکھ کر پڑھی جاتی تھیں مجھے پڑھنے کو دیں اور میں اسمٰعیلی مذہب سے براہ رست اس کی کتابوں سے واقف ہوا۔ مجھ پر ان کے اعتماد کا حال یہ تھا کہ جب بیمار ہوتے تو بوہروں کے نکاح پڑھانے کے لیے مجھے بھیج دیا کرتے تھے۔

مجھے ان کی علمی صحبت سے ادب وعربیت میں بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوا ہے اور مدرسہ احیاء العلوم میں مدرسی کے زمانے میں ان کے کئی لڑکوں نے مجھ سے عربی تعلیم اور اہلِ سنت کی فقہ کی تعلیم حاصل کی، کہتے تھے کہ مذہبی اصطلاحات اور مسائل عام طور سے ایک ہی قسم کے ہیں۔ کہیں کوئی اختلاف ہے تو اسے اپنی کتاب میں دیکھ لیں گے(۱)۔

۱۹۴۴ء میں قاضی صاحب کا قیام امرتسر بہت مختصر رہا مگر مشہور صاحب تصنیف وقلم اہلِ حدیث عالم ومفتی مولانا ثناء اللہ امرتسری سے ملاقات کو انہوں نے اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھا۔ ان سے اپنے تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

میں ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ ایک صاحب فتویٰ لکھنے پر مامور تھے۔ قاضی صاحب بولتے تھے اور وہ لکھتے تھے۔ جب میں پہنچ جاتا تو قاضی صاحب ان سے کہتے کہ ان کو لکھنے کو دیدو یوپی والوں کا خط اور ان کی زبان دونوں اچھے ہوتے ہیں۔ اس طرح قاضی صاحب نے کئی

(۱) تذکرۂ علمائے مبارک پور۔ دائرہ ملیہ مبارک پور جون ۱۹۷۴ء، ص: ۲۰۰-۲۰۱

فتوے مجھ سے لکھوائے جو کہ میر لیے باعثِ فخر ہے(۱)۔

نیز فن صحافت میں ان کے استاد و مربی مولانا محمد عثمان فارقلیط بھی مسلکاً اہل حدیث تھے۔ قاضی صاحب کی اس وسعت قلبی، اخلاصِ علمی کا نتیجہ ہے کہ ان کے قلم سے مبارک پور کی دینی و صنعتی علمی و ادبی۔ تہذیبی وسماجی اور سیاسی و معاشی تاریخ ''تذکرہ علماء مبارک پور'' کے نام سے جون ۱۹۷۴ء میں اپنی محققانہ بصیرتوں کا آئینہ خانہ سجائے ہوئے منظر عام پر آئی۔

(۱) کاروان حیات۔ مشمولہ قاضی اطہر مبارک پوری نمبر۔ ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخو پور ضلع اعظم گڑھ (ص:۵۲)

اعزازات

قاضی اطہر مبارک پوری صاحب کو صدرِ جمہوریۂ ہند کی طرف سے ۱۵/ اگست ۱۹۸۵ء کو عربی زبان اور علمی شغف پر سندِ توصیف ''کشمیری چادر'' اور تاعمر سالانہ پانچ ہزار روپے کا وظیفہ دیا جانا منظور کیا گیا۔ ۱۹۸۸ء سے وظیفہ کی رقم دس ہزار روپیہ کر دی گئی ۔ یہ حکومتِ ہند کا بڑا اعزاز ہوتا ہے جس کو علمی حلقوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

صدرِ جمہوریۂ ہند کا ایوارڈ ملنے کی تبریک میں شہر اعظم گڑھ والوں کی طرف سے شبلی کالج اعظم گڑھ میں ایک تہنیتی تقریب منعقد ہوئی تھی ۔ جس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شری اشوک پریہ درشی ضلع مجسٹریٹ اعظم گڑھ شریک ہوئے تھے۔ جو خود بھی ہندی کے بہت اچھے ادیب اور افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے بہت ہی اچھی تقریر کی اور قاضی اطہر مبارک پوری صاحب سے یہ پیش کش فرمائی کہ اگر آپ اعظم گڑھ پر اس تحقیق کو آگے بڑھائیں گے تو ضلع انتظامیہ اور حکومتِ اتر پردیش ہر ممکن تعاون پیش کر کے مسرت محسوس کرے گی۔ اس جلسۂ تبریک میں دوسرے اہلِ علم نے بھی اور شبلی کالج و دارالمصنفین کی علمی شخصیتوں نے قاضی صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کے علمی مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالی۔

ان سب سے پہلے ۹/ جون ۱۹۷۸ء کو ساڑھے آٹھ بجے شب میں انصار گرلس جونیر ہائی اسکول مبارک پور میں ایک خیر مقدمی اجلاس قاضی صاحب کی بلادِ افریقہ و ممالکِ عربیہ کے علمی و تہذیبی دورے سے واپسی کے موقع پر منعقد کیا گیا۔ جس کا سارا خاکہ راقم الحروف کا ترتیب دیا ہوا تھا۔ اس میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ڈاکٹر شعیب اعظمی، مولوی ابوعلی اثری (عبدالباری)، مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی، ڈاکٹر نعیم احمد صدیقی ندوی، مولانا منصور خاں رفیق دارالمصنفین، مولوی

نجم الدین احیائی، علی مختار مبارک پوری وغیرہ نے بھی اس میں شرکت کی۔

ان مضامین میں نظم ونثر کے ذریعہ قاضی صاحب کی خدمات کو سراہا گیا اوران کے علمی کارناموں پر تجزیاتی نظر ڈالی گئی تھی۔ مبارک پوری کی سرزمین پر اپنی نوعیت کا یہ پہلا پروگرام تھا۔

ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء میں اسلام آباد پاکستان میں تیسری عالمی قرآن کانفرنس اور سرکاری سطح پر سیرت کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ جس میں آپ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ دونوں کانفرنس میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم سے کئی بار ملاقات ہوئی اور انہوں نے قاضی صاحب کو ہدیہ وتحائف پیش کیے۔

مارچ ۱۹۸۴ء میں تنظیم فکر ونظر سکھر سندھ پاکستان کی دعوت پر ہندوستان کے علمی وفد کے ساتھ سندھی ادبی میلہ میں شرکت فرمائی۔ جنرل محمد ضیاء الحق صدرِ پاکستان کے ہاتھوں انہیں سندھ کی روایتی ٹوپی اور تنظیم فکر ونظر کا اعزازی نشان دیا گیا تنظیم فکر ونظر سکھر پاکستان نے مفکر اسلام قاضی اطہر مبارک پوری کی چار کتابیں:

(۱) عرب وہند عہدِ رسالت میں (۲) خلافت راشدہ اور ہندوستان (۳) خلافت امیہ اور ہندوستان (۴) خلافت عباسیہ اور ہندوستان ، اپنے اہتمام میں شائع کر کے ان کی رسم اجراء اور تعارف کی مجلس ۱۰/اگست ۱۹۸۶ء کو تاج ہوٹل کراچی میں رکھی جس میں اہلِ علم وتحقیق، ماہرین علومِ اسلامیہ اور صاحبانِ قلم نے قاضی اطہر مبارک پوری کی ادبی خدمات اور کتابوں کے موضوع واسلوب پر اپنے بہترین خیالات کا اظہار فرمایا۔

قاضی صاحب کی بے لوث علمی خدمت اور غیر معمولی جاں فشانی کی بنا پر انہیں علمی ودینی وجاہت کی طرح دنیاوی وجاہت اور مادی فارغ البالی بھی حاصل ہوئی ان کی عربی خدمات اور علمی وتحقیقی کاموں کے اعتراف کے طور پر سابق صدر جمہوریۂ ہند گیانی ذیل سنگھ نے انہیں توصیفی سند عطا کی

اور محسن سندھ کا خطاب بھی دیا(۱)۔

فاران کلب کراچی بھی اہلِ علم اور اربابِ فکر وادب کا ایک ثقافتی ادارہ ہے۔اس کی طرف سے قاضی صاحب کی کتابوں پر اظہار رائے کے لیے ایک تقریب اور اسی سلسلے میں ظہرانہ کا اہتمام ہوا۔مقررین نے کھل کر قاضی صاحب کی خدمات کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ ہم اہلِ سندھ اس تاریخی حقیقت سے ناواقف تھے کہ اس ملک میں صحابہ وتابعین کی آمد ہوئی ہے اور عہدِ رسالت ہی سے اس ملک کو اسلام اور مسلمانوں سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔

اسی سلسلے کا ایک اور پروگرام تنظیم فکر ونظر کے صدر مقام سکھر میں انعقاد پزیر ہوا۔جس میں دانشور وصحافی حضرات نے قاضی صاحب کی تحقیق وجستجو پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے ان کی اولیات کا انشراحِ قلبی کے ساتھ اعتراف کیا۔قاضی صاحب کی کتابوں کی جو خصوصیات ہیں،ان پر بصیرت افروز روشنی ڈالی۔اور اس کا بھی اعتراف کیا گیا کہ ان کتابوں کو لکھ کر ایک شخص نے ایک ادارہ کا کام کیا ہے۔(۲)

(۱) ماہ نامہ معارف اگست ۱۹۹۶ء ضیاء الدین اصلاحی،ص:۱۴۹

(۲) قاضی اطہر مبارک پوری مئے طہور،ص:۱۱۴

خطوطِ مشاہیر بنام قاضی صاحب

انسانوں کی خودنوشت سوانح عمریاں ایک حد تک ان کی زندگی کے حالات کی عکاسی کرتی ہیں، لیکن چونکہ انسان یہ سمجھ کر اپنے حالات قلم بند کرتا ہے کہ ایک دن یہ مجموعہ لوگوں کے ہاتھ میں جائے گا اس لیے اصل تصویر میں جہاں جہاں داغ ہوتا ہے، وہ ان پر سیاہی پھیرتا جاتا ہے، اس بنا پر یہ مرقع بھی اس کی صورت کی سچی شبیہ نہیں ہوتی، صرف ایک ہی شئے انسان کی حقیقی شکل و صورت کا آئینہ ہو سکتی ہے، اور وہ اس کی ذاتی اور نج کے خطوط اور مکاتیب کا ذخیرہ ہے، چونکہ لکھنے والے کو یہ کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ اس کے یہ پوشیدہ اعترافات کبھی منظر عام پر آئیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ مکتوبات نے عظیم شخصیتوں کی زندگی کے بہت سے اہم گوشوں کی توضیح وتشریح میں ہمیشہ ہی اہم کردار ادا کیا ہے، سوانح حیات کے باب میں اس کی خاص اہمیت ہے اسی بناء پر علماء کرام کے مجموعہ مکتوبات ہمیشہ سے شائع ہوتے رہے ہیں کہ ان کی شخصیت کی جھلکیاں قاری محسوس کرے اور استفادہ کرے، ہر اچھے خط میں خط نگار کی شبیہ موجود ہوتی ہے، اس کا مزاج، انداز طبیعت طرز تخیل یہ سب بہت ہی اہم ہیں، جو مکتوب نگار کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

قاضی صاحب کو معاصرین کس نگاہ سے دیکھتے تھے؟ قاضی صاحب کا رتبہ ان کے نزدیک کیا تھا اس کی کچھ جھلکیاں ان مکاتیب و مراسلات میں دیکھی جاسکتی ہیں، جو معاصر علماء نے انہیں لکھے ہیں، قاضی صاحب کی عظمت یہاں بھی جھلکتی ہے کہ انہوں نے خطوط کا بڑا ذخیرہ نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا، ملک کے بہت سے نامور علماء اور بڑے اصحابِ علم نے یہ خطوط لکھے ہیں، ہم اس مقالے میں ان معاصر علماء کے خطوط پیش کررہے ہیں، ہم نے خطوط کی ترتیب تاریخی اعتبار سے کیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
الرئاسة العامة
للاشراف الديني بالمسجد الحرام
ادارة مكتبة الحرم الشريف المكي

الرقم : ٢١ح
التاريخ : ٢٠/٩/١٣٩٦
المشفوعات : [illegible]

فضيلة الشيخ القاضي أبو المعالي اطهر المباركفوري المحترم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته :

وبعد .. بكل تقدير تسلمت " مكتبة الحرم المكي الشريف " هديتكم الكريمة لها من مؤلفكم القيم " العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين " .. وإني باسم المكتبة وروادها اتقدم لكم بخالص الشكر والتقدير ازاء ما قدمتم لها .

شاكراً لكم كريم عنايتكم . سائلاً المولى القدير ان ينفع به طلاب العلم والمعرفة – وتقبلوا تحياتي .

مدير مكتبة الحرم المكي بالنيابة

عبد العزيز الدوسري

بسم الله الرحمن الرحيم

الرقم ________

التاريخ ________

المشفوعات ________

م الهاتف ٢٩٧٣

• أنشئت سنة ١٣٥٥هـ - ١٩٣٥م بالمدينة المنورة
• ثم صدرت بمكة المكرمة الى سنة ١٣٧٥هـ
• تصدر الآن بجدة - المكتب بالشرفية - شارع ٤٤ - ت ٢٩٧٣

صاحب السماحة الاستاذ المبجل القاضي أطهر مباركبوري المحترم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته :-

وبعد فقد حظيت بخطابكم الكريم المؤرخ في ١٨/ ١١/ ١٣٨٨ في هذا اليوم الموافق ٢٣/ ١/ ٨٩ مع الحاج العزيز الاستاذ مختار احمد فحمدت الله على سلامة صحتكم ومما زاد سروري وضاعف حبوري تفضلكم بالهدية الثمينة ((الفتوحات الاسلامية أو العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين)). والحقيقة ان هذا الكتاب هو كتاب السنة فقد ملأ فراغا كبيرا. وأؤكد لكم صادقا اني قرأته من الغلاف الى الغلاف واستفدت منه معلومات لا توجد منسقة مترتبة ممحصة في سواه .. وهو بحسب ته وكتبت عنه كلمة مهمة ستقرؤ ونها ان شاء الله تعالى في منهل الشهر الثاني من عامنا الحالي واني لشاكر ومقدر تشجيعكم النبيل وستصلكم المجلة تباعا هدية لكم ان شاء الله هذا وشرفونا بما يلزم اما المقدمة التي كتبها اخوكم فقد زينها كتابكم القيم ويا حبذا لو تتفضلون علينا بوشل من محيط علومكم وآرائكم ليقتبس منها قراء المنهل انوارا ساطعة وادبا اسلاميا راقيا . اننا لمنتظرون وخاصة فيما يتعلق بالهند والعرب والاسلام وعلاقاتها

والله يرعاكم ..

في ٢٣/ المحرم ١٣٨٩ هـ .
الموافق ١٠/ ٤/ ١٩٦٩م

اخوكم المخلص

عبد القدوس الانصاري

٢/١/٥٢٩
٨٩/١/١٨

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
الجامعة الاسلامية
بالمدينة المنورة
الادارة المالية

من عبدالعزيز بن عبدالله بن باز الى حضرة الاخ المكرم [illegible] وفقه الله
[illegible] ١٥٢

سلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد ،

بالاشارة الى خطابكم رقم [illegible] وتاريخ ٢ / ٨ / ١٣٨٨ هـ المرفق به نسخة
من كتاب ([illegible]) نفيدكم أننا نود
رأينا تأمين (خمس عشرة) نسخة من ([illegible])
بالسعر المحدد من قبلكم وهو ( ) للنسخة الواحده لذا اعتمدوا ارسال النسخ
المشار اليها مع أمر نا هذا وفاتورة بالمستحق لكم لمقابلتكم به تولاكم الله والسلام عليكم ،

نائب رئيس الجامعة الاسلامية

ح /

١٣٨٩ هـ
٣٠ / [illegible]
١٤ / ابريل ١٩٦٩ م

بسم الله الرحمن الرحيم

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

الرابطة العالم الإسلامي
الأمانة العامة

الرقم ١٩
التاريخ ٢٨/٤/١٤٠٦
المرفقات ٢٦ ديسمبر ١٩٨٥

حضرة صاحب الفضيلة الشيخ القاضي أبو المعالي أطهر المباركفوري حفظه الله

الهند

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته. وبعد :-

احيط فضيلتكم علما بان ابنكم اطلع على بعض مؤلفاتكم القيمة أشكر لكم جهودكم الجبارة في هذا السبيل الذي كشفتم فيهم جوانب عديدة من تاريخ هؤلاء الابطال والقواد الذين فتحوا بلاد الهند والسند. جزاكم الله خير الجزاء.

فلهذا ارجو من فضيلتكم أن ترسلوا لي من مؤلفاتكم المدون ادناه أسماؤها بالبريد الجوي المسجل نسخة واحدة بكل واحدة منهم وكذلك الخبروني باسعارها ان شاء الله سارسل لكم ثمنهم بطريق البنك او كما امرني فضيلتكم. وفقكم الله ورعاكم وتفضلوا بقبول فائق التحية والاحترام ....

مقدمه ابنكم ابو فيصل

عبد الغفور

١ ـ دول العرب في الهند.
٢ ـ العقد الثمين في فتوح الهند.
٣ ـ العرب والهند في عهد الرسالة.
٤ ـ المجد الظاهر للهند الاسلامية.

عنوان :

مكة المكرمة / رابطة العالم الاسلامي
ادارة المجمع الفقهي الاسلامي
ابو فيصل عبد الغفور

حكومة الكويت

وزارة الارشاد والانباء

الكويت : ٦٢/٢/٢٧ الاشارة : ٣١٢١٣١٢ ١٩٦٢

٣١ جنوری ١٩٨١ م

Qazi Athar Mubarak

تحية ود وتقدير ،

كانت وزارة الارشاد والانباء قدمت اليكم مجموعة الكتب التي اصدرتها في سلسلة " التراث العربي " اسهاما منها في احياء كنوزنا الادبية القديمة ،

ويسر هذه الوزارة ان تتلقى رايكم في هذه السلسلة وفي الجهد المتواضع الذي تبذله في هذا السبيل ، كما يسرنا ان نتلقى اقتراحاتكم في هذا الشأن وان ترشدونا الى المخطوطات التي ترون ثمة فائدة في نشرها او الى الكتب المطبوعة التي نفدت نسخها وتعتقدون بان من المستحسن اعادة طبعها من جديد .

وعلى امل ان نتلقى توجيهاتكم هذه في وقت قريب ، نرجو قبول اصدق الشكر والاحترام ،،

المدير العام

بسم الله الرحمن الرحیم

Joint Secretary

No.8(1)/ADS(R&R)/85
Ministry of Religious Affairs &
Minorities Affairs
GOVERNMENT OF PAKISTAN

Islamabad, the 5th March, 1985.

Subject:- INTERNATIONAL SEERAT CONFERENCE 1985.

Dear Scholar,

I feel honoured to bring it to your kind attention that this Ministry will convene an International Seerat Conference on the sacred occassion of the birth-day of the holy Prophet (peace be upon him) in the first week of December, 1985.

You are cordially invited to participate in the said conference as a speaker-delegate. You will be treated as a guest of the Government of Pakistan and all the expenses on your journey to Pakistan and back and boarding and lodging in Pakistan will be borne by this Ministry.

It will be of interest to you to know that the main theme of the conference is "Universal Status of the Holy Prophet (peace be upon him)". A list of the sub-titles is also enclosed herewith for ready reference.

It will be a highly appreciated if you favour us with a research paper in the proposed Conference on any one of the sub-titles attached, keeping in view the problems and conditions prevalent in the world to-day, by the 30th June, 1985.

With kind regards,

Yours sincerely,

(REHMATULLAH KHAN) 5/3/85

Maulana Athar Mubarikpuri,
Post Mubarikpur,
District Azamgarh,
India.

LIST OF THE SUB TITLES

1. "Bithat" and the message of the Holy Prophet for mankind.
2. Mercifulness of the Holy Prophet.
3. The finality of Prophethood of the Holy Prophet.
4. The virtues of the System of Life and Teachings as expounded by him.
5. Practical aspects of his Seerat.
6. The moral and ethical system of the Holy Prophet.
7. Guiding principle of the Seerat of the Holy Prophet for the modern world.
8. His message of peace.
9. The universal aspects of the sermon of the Hajjatul Wida.
10. The Prophet of Allah as a founder of Human Dignity.
11. Seerat of the Holy Prophet and Service to Mankind.
12. Judicial systems of the world vis-a-viz the judicial system as expounded by the Holy Prophet.
13. The Holy Prophet as a Leader of Revolution.
14. International relations in the light of the Seerat of the Holy Prophet.
15. International laws and relations and the Islamic concept of Unity.
16. The Holy Prophet as an Ideal Man.

Ref. No. 6809
Date 13/3/85

Phone : 50109
KHUDA BAKHSH
ORIENTAL PUBLIC LIBRARY
PATNA-800 004

حضرت تسلیم

گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ سمینار میں شریک نہ ہو سکے
اس کا افسوس رہا۔ آپ کی ارسال کردہ فہرست اور مقالے
موصول ہوا۔ اس طرح آپ کی نصف شرکت تو ہو ہی گئی

۲۔ آپ کا چیک آپ کے بمبئی کے پتے پر بھیجا گیا تھا۔ امید ہے
اب تک آپ تک پہنچ گیا ہو۔ شیخ فرید صاحب بھی شریک نہ
ہو سکے ان کا خط آ گیا تھا۔

۱۶ مارچ کو آپ ایوارڈ کے سلسلے میں دہلی جا رہے ہیں
مبارک ہو۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا۔

عابد رضا بیدار

ملاحظہ
جناب قاضی اطہر مبارکپوری صاحب
Daira-e-Milliyah Mubarakpur
Azamgadh.

بسم الله الرحمن الرحيم

8(1)/ADS/R&R/85
Ministry of Religious Affairs &
Minorities Affairs
GOVERNMENT OF PAKISTAN

Islamabad, the 28th March, 1985.

Director General

Subject:- INTERNATIONAL SEERAT CONFERENCE, 1985

Dear scholar,

In continuation of this Ministry's letter of even number dated the 5th March, 1985, regarding the subject cited above, it is requested that the languages for the above conference are Arabic, English and Urdu. As such, you are requested kindly to pen-down your research papers in one of these languages keeping in view the main theme of the Conference - "Universal Status of the Seerat of the Holy Prophet" (peace be upon him), the sub-titles of which have already been supplied to you.

With kind regards,

Yours sincerely,

(Dr. Aminullah Vaseer)

Maulana Athar Mubarikpuri,
Post Mubarikpur,
District Azamgarh,
India.

بسمہٖ تعالیٰ

۶۴۵/۱۶ سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

۱۵- اپریل ۱۹۸۵ء

محترم جناب قاضی صاحب، سلام مسنون، آپ کا والانامہ مرقومہ ۸- اپریل ملا، میں تین روز کے لئے ایک نجی کام کے سلسلے سے بھوپال گیا ہوا تھا، واپسی پر آپ کی تحریر دیکھی، مجھے بڑا دکھ ہے کہ میں آپ کے گرامی ناموں کا جواب نہ دے سکا، اس کے لئے میں کوئی عذر بھی پیش نہیں کر سکتا، بس آپ سے معافی کا طلبگار ہوں، امید ہے آپ مجھے معاف کریں گے۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ حکومت ہند نے آپ کو اعزاز بخشا، لیکن یہ اعزاز اس سے بہت پہلے ملنا چاہئے، بہر حال دیر آید درست آید، اللہ تعالیٰ مبارک کرے، آپ کی علمی خدمات قابل شکر ہیں، وہ قابل تقلید ہیں، کاش ہمارے نوجوانوں میں علمی شغف پیدا ہو اور وہ آپ جیسے فضلاء کے کارناموں سے سبق سیکھیں، مجھے مزید خوشی اس سے ہوئی کہ آپ کے جوار کے اہل علم حضرات کے دل میں قدردانی کا جذبہ پیدا ہوا، یہ بڑی خوش آیند بات ہے۔

آپ نے اس مبارک تقریب میں مجھے شرکت کی دعوت دی ہے یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہو گی، اگر تاریخ کا تعین اتنا پہلے ہو جائے کہ ریل میں ریزرویشن کرایا جا سکے تو میں ان شاء اللہ حاضر ہوں گا، آپ کے خلوص کا دل پر گہرا نقش ہے، خدا آپ کو خوش رکھے (آمین)

آپ کا

نذیر احمد

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

No. 8 (1) / ADS / 85
Ministry of Religious Affairs &
Minorities Affairs
GOVERNMENT OF PAKISTAN

Islamabad, the 17th July, ...198

Subject :— INTERNATIONAL SEERAT CONFERENCE - 1985

Dear Sir,

The Ministry of Religious Affairs, Government of Pakistan, has decided to organize an International Seerat Conference in the Capital City of Islamabad from 12th to 13th Rabiul Awwal (1406 A. H.) approximately 26th and 27th November, 1985. The theme of the Conference will be "Universal Aspect of the Seerat of the Holy Prophet".

2. On behalf of the Government of Pakistan, I have the honour to extend a cordial invitation to you to attend this Conference in which a galaxy of scholars and other eminent personalities, particularly from all over the World of Islam, will participate.

3. We shall look forward to receiving your positive response at your earliest convenience.

4. Relevent Material is enclosed.

5. Please accept the assurance of our highest consideration.

Yours faithfully,

(CH. SHAUKAT ALI)
Secretary General
of the Conference

Qazi Athar Mubarakpuri
Markaz-e-Ilmi
153, Janji har Street Bombay
400003,
India.

HAMDARD FOUNDATION, PAKISTAN

Ref.No:HFP/QC/85

6th October 1985

REGISTERED

Subject: Third International Qur'an Congress

Dear Qazi Saheb,

1. It is a matter of great satisfaction and pleasure for us that Insha Allah, you will participate in the Third International Qur'an Congress. We are convinced that your valuable contribution will pave the way to a better understanding of the Qur'an and it will help solve the dire problems of the present-day world. Therefore, I assure you that your participation in the Qur'an Congress will enhance its prestige and meaningfulness.

2. To date sixty scholars will attend the Congress and present their paper. We need your co-operation in our arrangements and request your attention to the following points for an early reply.

(i) The Congress will be inaugurated by the President of the Islamic Republic of Pakistan, at the Hamdard Markaz, Murree Road, Rawalpindi, on Thursday, November 21, 1985 at 5.30 p.m.

(ii) All delegates/observers are requested to so fix their schedule that they may reach the Rawalpindi-Islamabad Airport by the morning of Thursday, November 21.

(iii) It is suggested that all international delegates may kindly schedule their arrival at Islamabad by direct flight so as to reach on or by Thursday (November 21, 1985) morning. A schedule is attached for ready reference. In case no direct flight to Islamabad is available, the air travel should be so arranged as to get a link-up from Karachi to Islamabad by PIA flight PK 300 which leaves Karachi at 0700 hours and arrives at Islamabad at 0855 hours on Thursday November 21. There is no other direct flight in the morning. The next direct flight PK 308 on the day will leave Karachi at 1600 hours to reach Islamabad, at 1755 hours in which case participation at the inauguration will not be possible. We shall welcome the delegates and observers at the Islamabad airport. We shall also assist the delegates in boarding the Karachi-Islamabad flight if informed of their flight programme well in time.

(iv) We have given to the Pakistan International Airlines a list of the delegates and the observers with names and addresses, with the request to afford to them every possible facility. It is hoped that they will do their best to make their travel as comfortable as possible.

(v) All delegates/observers are requested to please get their booking done and to intimate their schedule to us so that we can arrange to welcome them accordingly.

(vi) We have arranged the stay of all delegates in the Hotel Pearl Continental, Rawalpindi (formerly the Intercontinental Hotel) and every delegate will have a single room with bath. They will be guests of the Hamdard Foundation Pakistan.

Cont'....P-2

Hamdard Centre, Nazimabad, Karachi-18 (Pakistan), Tel:616001-5 Lines, Lahore : 53819, Rawalpindi : 64338, Peshawar : 74186
Telex No. 24529 HAMD PK

(vii) The Hamdard Markaz, Rawalpindi, will be the venue of the inaugural sessions of the Congress, but the remaining sessions will be held in the Pearl Continental Hotel.

(viii) An exhibition of Qur'an manuscripts is also being organized on the occasion, in collaboration with the Deparment of Archaeology Ministry of Culture, Government of Pakistan at the Hamdard Markaz.

3. As intimated by us, the following arrangements have been made:

(a) The delegates of the Third International Qur'an Congress which concludes on November 25, will be treated as the delegates of the International Seerat Conference on the 26th and the 27th November, provided they can extend their stay.

(b) The delegates of the Sixth International Seerat Conference will be treated as the delegates of the Qur'an Congress, provided they reach Islamabad any time between November 21, morning, and November 25, 1985.

4. Those delegates who have yet to intimate the title of their papers may please do so immediately so that delay and difficulty in finalizing the programmes are precluded.

5. Those delegates who have yet to send the abstracts of their papers may please do so now, without any further delay. We aim at publishing before the Congress at least the abstracts if not the papers. To date only a few papers have reached us.

6. For your travel-schedule a form is enclosed. It may please be filled in and returned to us.

7. Your prompt reply to this letter is a pre-requisite to making good arrangements and to affording optimum convenience and comfort to you.

With best regards,

Yours sincerely,

Sadia Rashid

(Mrs.) Sadia Rashid
Secretary-General
Third International Qur'an Congress

Yours sincerely,

Hakim Mohammed Said
President

Qazi Athar Mubarkpuri

HAMDARD FOUNDATION, PAKISTAN

THE PRESIDENT
HAKIM MOHAMMED SAID

20th December, 1985.

Dear Friend,

A New Year is dawning, a year full of promise and hope. On this occasion please accept my warm greetings and good wishes for a happy New Year.

The Year 1986 is special for the world — it is the *International Year of Peace.* Let it be our earnest hope and prayer that the foundations of a lasting peace are firmly laid, to ensure a world where the mind is without fear, and where we can devote our energies to the conquest, not of lands, but of ignorance, hunger and disease through co-operation, understanding and mutual trust.

I firmly believe in the fact that man occupies the place of honour in this 'not too solid' universe. Man is the measure of dignity and the creator of beauty. Within man's being lies hidden the seeds of peace. He used the pen and the tablet, and made them the basis of both civilization and culture, whether the latter were nurtured by the sublimity of creative art and literature or the tragic greatness of a Socrates or a Mansur enunciating 'the Truth'. It is man who shines behind the sacred Verse and the all-conquering Knowledge. Though bitten many a time and betrayed not infrequently, I yet retain my faith in inherent human goodness. I firmly believe that civilization and culture, creative art and literature and the quest for peace, truth, and freedom from suffering are all different facets of knowledge. If man settles down in the world of knowledge and wisdom, his thought and conduct can reflect only peace and truth. He can, through his love for man and respect for man's dignity, make this turbulent, tormented world, a haven of peace and tranquillity.

I will be most grateful if you could graciously favour me with your views on ~~"Man — the World — Peace". A brief dissertation of about two hundred and fifty~~ words will be a valued contribution to a book that I intend compiling on this subject for publication and distribution in 1986 — the *International Year of Peace.*

May God guide us through another year.

Yours sincerely,

(Hakim Mohammed Said)
President
Hamdard Foundation Pakistan

Qazi Athar Mubarakpuri

Hamdard Centre, Nazimabad, Karachi-18 (Pakistan), Tel:616001-5 Lines, Lahore : 53819, Rawalpindi : 64338, Peshawar : 74186
Telex No. 24529 HAMD PK

THE THIRD INTERNATIONAL QUR'AN CONGRESS
OF THE INTERNATIONAL CONGRESS FOR THE STUDY OF THE QUR'AN
THEME
THE QUR'ANIC UNDERSTANDING OF THE HUMAN SITUATION
Nov. 21–25, 1985 Rawalpindi-Islamabad, Pakistan

حوالہ: ق / ک / ۸٦ / 1199

کراچی: ۱۱ — فروری — ۱۹۸٦

جناب محترم قاضی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ

نامۂ گرامی مورخہ ۳/ فروری سنہ ۱۹۸٦ مجھے مل گیا ۔ ممنون کرم ہوں اور مقالۂ سوم قرآن کنگرس کے لیے بہ صمیم قلب متشکر ۔ مجھے بچے کے حادثے کی خبر سے افسوس ہوا ہے ۔ الحمد للہ کہ بچہ اب روبہ صحت ہے ۔

بہ احترامات فراواں

آپ کا مخلص

(حکیم محمد سعید)

بگرامی خدمت جناب محترم قاضی اطہر مبارکپوری

قاضی منزل ۔ مبارک پور

اعظم گڑھ

انڈیا

HAMDARD CENTRE, NAZIMABAD; KARACHI-18, PAKISTAN - Phones: 616001–5, Telex No. 24529 HAMD PK. Cable: HAMDARD

Dr. A. R. Bedar
Director
Khuda Bakhsh Oriental
Public Library, Patna-800004

Phone : 50109

D. O. No 7894

Dated, the 14/2/1986.

عزیز گرامی

اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ نے قاضی اطہر صاحب کے سلسلے میں بڑے کام کا مواد فراہم کر دیا۔ قاضی صاحب ہمارے مغتنمات روزگار سے ہیں اور انہوں نے بلاشبہ ہمارے عہد میں ہندستان میں علوم اسلامیہ کی سب سے قیمتی خدمات انجام دی ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھیے۔

آپ کا
عابد رضا بیدار

بملاحظہ
جناب احمد الراشد صاحب مبارکپوری
Al-Jame'at-ul-Hejaziya,
Mubarakpur
AZAMGARH
(U.P.)
276404.

۱۱- ایبک روڈ، انارکلی ○ لاہور
فون نمبر ۵۲۵۲۵

محترم المقام   سلام مسنون!

میرا آپ سے شخصی تعارف نہیں مگر میں آپ کی دینی خدمات کے حوالے سے آپ سے متعارف ہوں۔ اب وہی شناسائی مجھے آپ سے کچھ عرض کرنے پر اکسا رہی ہے۔

نقوش ایک ادبی رسالہ ہے۔ مگر ادارۂ نقوش نے پندرہ سال کی جد و جہد کے بعد اس کا رسولؐ نمبر ۱۳ جلدوں میں پیش کیا (دس ہزار صفحات پر مشتمل) جسے پاک و ہند کے تمام صاحب الرائے حضرات نے پسند فرما کر ہماری حوصلہ افزائی کی۔

اب ہم قرآن نمبر پیش کر رہے ہیں۔ جو کئی جلدوں کی صورت میں دس ہزار صفحات کے لگ بھگ ہی تکمیل پذیر ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس تاریخی نمبر میں قرآن کے موضوع پر آپ کا کوئی مقالہ شائع ہو۔ ہماری عزت بڑھے گی۔ آپ کے درجات میں اضافہ ہوگا۔ یوں آپ کی تحریر برسہا برس تک خواص و عوام کی رہنمائی کا فرض ادا کرتی رہے گی!

اگر اس موضوع پر آپ کا کوئی مقالہ یا کتاب چھپی ہوئی ہو تو اس سے بھی استفادہ کا موقع بہم پہنچائیے گا۔ (اپنے دوستوں کو بھی متوجہ کیجئے)

یہ دعوت ایسی ہے جس میں میرا بھلا، آپ کا بھلا، سب کا بھلا ہوگا!

آپ کا
محمد طفیل
15-2-86

[ضرور تعاون فرمائیے گا]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Phone: 158002

TANZEEM FIKR-O-NAZAR SIND

(REGISTERED)

تنظیم فکر و نظر سندھ

CENTRAL OFFICE:
RAHIM MARKET, FLAT NO. 12
SUKHA TALAB,
SUKKUR - PAKISTAN

Ref. No. دام فیضکم

Date ۲۷ فروری ۱۹۸۶ء

واجب الاحترام صاحب السعادت والفضیلت حضرت مولانا اطہر مبارکپوری صاحب

السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ،

امید ہے کہ رب ذوالجلال کے فضل و کرم سے آپ ہر طرح با عافیت ہونگے۔ یہ محض اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے موقع پر اسلام آباد میں ملاقاتیں ہوئیں۔ مجھے ذاتی طور پر مسرت حاصل ہوئی کہ میری خواہش اور کوشش کے نتیجہ میں آپ تشریف لائے۔ آپ کی عظیم اسلامی خدمات سے اہل علم پوری طرح واقف ہوئے۔ آپ کے پیش کردہ مقالہ کی ندرت اور محنت کو ہر ایک صاحب نے سراہا۔

۲۴ اپریل ۱۹۸۶ء کو تنظیم فکر و نظر سندھ کے زیر اہتمام سکھر میں

"عالمی شاہ عبد اللطیف بھٹائی کانفرنس"

منعقد ہو رہی ہے۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اسکا افتتاح کرینگے اور پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کے بھی نامور دانشور اور صاحبان علم و فضیلت اس میں شرکت فرمائینگے۔ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی روشنی میں ہم آپ پر پھر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں آپ سے بے حد محبت ہے۔ سندھ اور ہند کی تاریخ پر جو آپ نے کام کیا ہے اس کے لئے تاریخ آپ ممنون احسان ہے۔ جس محنت، جانفشانی اور قلبی لگاؤ کے ساتھ آپ نے کام کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ ہم اس بات پر آپ کے بے حد ممنون ہیں کہ آپ نے تنظیم فکر و نظر سندھ سے اتنی محبت کا اظہار کیا کہ اپنی کتب شایع کرنے کی اجازت دینا فرمائی۔ اس کانفرنس کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ اس موقع پر آپ کی چار کتب کا صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب افتتاح کرینگے۔

تاریخ سندھ سے بے حد شغف اور اس کانفرنس کی علمی اہمیت کے پیش نظر آپ سے گزارش ہے کہ آپ سکھر تشریف لائیں اور کم از کم دو ہفتہ سندھ میں قیام فرمائیں۔

امید ہے کہ آپ ہماری مخلصانہ اور برادرانہ دعوت کو ضرور شرف قبولیت بخشینگے۔

آمد و رفت کے اخراجات تنظیم کے ذمہ ہونگے۔

والسلام

اسد اللہ بھٹو
Asadullah Bhutto

پروفیسر اسد اللہ بھٹو

صدر تنظیم فکر و نظر سندھ سکھر

قلمی تار۔
آپکی خدمت میں تار بھیج چکے ہیں۔ آپ براہ کرم ہمارے حفاظ جو الرسی
ویزا وغیرہ بھی حاصل کر لیں اور سندھ میں کم از کم دو ہفتہ قیام کا
پروگرام بنائیں۔ اہل علم حضرات آپ سے ملنا چاہتے ہیں
شاہ لطیف کے متعلق ایک مقالہ اور عالمی سندھی ادبی
میلہ کا مجلہ بھی پیش خدمت ہے۔
امید ہے کہ اس تاریخ ساز موقع پر آپ ہمارے
درمیان موجود ہونگے۔ تار۔
ہماری آنکھیں منتظر رہیں گی
احقر اسد اللہ بھٹو
12-3-87

TEL. MADARSA NAYA BHOJPUR
(DUMRAON)

JAMEA ARABIA ASHRAFIA
NAYA BHOJPUR
DISTT. BHOJPUR, PIN 802145 (BIHAR)

۱۶ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

مورخہ ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۸۶ء

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام زیدت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے کہ مزاج گرامی بہر نوع پرسکون ہوں،

حضرت والا کی ذاتِ مخلصانہ وہمدردانہ جود دینی، تعمیری، علمی، پاکیزگی شعور اور نزاکت وقت کے تقاضے، وتجربات جیسے اوصافِ حمیدہ متصف ہے۔ ملتِ اسلامیہ کیلئے منتظم ہے اراکینِ جامعہ عربیہ اشرفیہ نیا بھوجپور کی نگاہیں آپ کی جانب اٹھی ہیں تاکہ تاکہ آپکے محاسن وکردار وعمل سے ادارۂ جامعہ بہر طور مستفید ہو سکے۔ اس کے لئے التماس عرض ہے کہ جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کو شرفِ قبولیت بخشیں۔

مخدومنا المکرم حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی طلب پر "علماء کانفرنس" ملا بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دلی۔ کے موقعہ پر میں نے جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کیلئے عرض کیا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت والا نے فرمایا کہ مبارکپور کے پتہ پر یاد دہانی کرائیں۔ چنانچہ آج وہ موقعہ سعید آیا اور بطور یاد دہانی یہ چند سطریں پیشِ خدمت ہیں۔ آمد ورفت کا کرایہ جامعہ پیش کریگا۔ طعام وقیام کی ذمہ داری جامعہ بھوجپور پر ہوگی۔

رکنیت قبول فرماتے ہوئے تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائیں ادارہ ممنون ہوگا۔

مجلسِ شوریٰ کی میٹنگیں سال میں ۲ مرتبہ ہوتی ہیں بماہ محرم الحرام اور ماہ رجب المرجب — اور عاملہ میٹنگیں ۴ مرتبہ۔ شوریٰ ہی کے منتخب ارکان ہیں۔

چنانچہ رجب المرجب سنہ ۱۴۰۶ھ کی ۱۷، ۱۸ ام تاریخیں متعین ہیں۔ مطابق ۲۹، ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۸۶ء روز سنیچر، اتوار مقرر ہیں اول نشست سنیچر کے دن بعد نماز ظہر سے منعقد ہوگی ان شاء اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Phone: 158002

TANZEEM FIKR-O-NAZAR SIND

(REGISTERED)

CENTRAL OFFICE:
RAHIM MARKET, FLAT NO. 12
SUKHA TALAB,
SUKKUR - PAKISTAN

Ref. No.________ Date ۲۷ ~~اپریل~~ مارچ ۱۹۸۶ء

واجب الاحترام صاحب السعادت والفضیلت

جناب قاضی اطہر مبارکپوری صاحب

السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ

آپ کا تار ملا - عالمی شاہ لطیف کانفرنس میں آپ کی شرکت کی نوید نے اہل علم میں خوشی کی لہر دوڑا دی ہے- کانفرنس کا پروگرام انشاء اللہ حتمی ہے جو ۲۴ تا ۲۶ اپریل ۱۹۸۶ء تک ہے- کانفرنس میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ وزیر اعظم پاکستان جناب محمد خان جونیجو کی شرکت کی خاصی امید ہے- اس موقع پر آپ کی تاریخ ساز خدمات کے اعتراف میں تنظیم کی طرف سے شیلڈ پیش کی جائیگی - حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی محنت اور کاوش نے تاریخ کی گم شدہ کڑیوں کو تلاش کیا ہے- یہ کام آپ سے پہلے شاید کوئی بھی سر انجام نہ دے سکا- اللہ کا یہ لطف و کرم آپکے حصہ میں مقرر تھا -

براہ کرم اپنی آمد اور فلائیٹ کی اطلاع دینا فرمائیں تاکہ ہم آپکے استقبال کیلئے کراچی کے ہوائی اڈے پر موجود رہیں - مزید گزارش کہ شاہ عبد اللطیف کے متعلق ایک کتاب خدمت میں بھیجی ہے- ایک مزید بھیجی جا رہی ہے تاکہ آپ تحریری یا تقریری شکل میں اظہار خیال فرمائیں- مزید درخواست کہ سندھ کی "علمی عظمت رفتہ" کے موضوع پر بھی اپنے جامع ~~مقالہ~~ مقالے سے ~~بھی~~ ہمیں نوازیں-

والسلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ-

آپ کا مخلص

اسد اللہ بھٹو

پروفیسر اسد اللہ بھٹو

صدر تنظیم فکر و نظر سندھ سکھر

قلم تازہ -

مزید ایک کتاب کے لیے عرض کیا ہے کہ روانہ بھیج رہے ہیں، وہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فی الحال نہیں بھیج سکے - انشاء اللہ کچھ دنوں میں ارسال کریں گے -

یہ بھی گذارش ہے کہ ہمارے ہاں مہمان ہفتہ دو ہفتہ تک قیام فرمائیں -

اسد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

INTERNATIONAL
SHAH ABDUL LATIF BHITAI CONFERENCE

Phone : 158002

CENTRAL OFFICE :
TANZEEM, FIKR-O-NAZAR SIND
(REGD)
SIND ISLAMIC CENTRE
SUKKUR - PAKISTAN

Ref No. ____________

Date ۳ اپریل ۱۹۸۷ء

PATRON :
HALID M. ISHAQUE
ADVOCATE

PRESIDENT :
PROF: ASADULLAH BHUTTO

VICE PRESIDENT :
HAMOOR YOUSFANI

GEN: SECRETARY :
QURBAN ALI A. MEMON

SECRETARY :
MUHAMMAD AYUB
SOLANGI

FINANCE SECRETARY :
PROF: MUHAMMAD
IBRAHIM

INFORMATION SECRETARY :
PROF: SHAMSHER
MUHAMMAD SIDDIQUI

محترمی و مکرمی جناب قاضی اطہر مبارکپوری ــــ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مؤدبانہ گذارش کہ ہم آپ کے بے حد ممنوں ہیں

کہ آپ نے "عالمی شاہ لطیف کانفرنس" میں شرکت کے لیئے

ہماری مخلصانہ دعوت کو شرف قبولیت بخشا۔

آپ سے گذارش ہے کہ مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۸۷ء

بروز جمعۃ المبارک وقت ۹.۰۰ بجے صبح کے مقالاتی اجلاس میں بطور

مہمان خاص کی حیثیت سے شرکت کرنا فرمائیں۔

علاوہ ازیں ۲۴ اپریل ۱۹۸۷ء کے افتتاحی اجلاس

جس کی صدارت صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق فرما

رہے ہیں۔ اس میں بھی آپ اپنے قیمتی خطاب سے سامعین

کو نوازیں۔

والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

DARUL ULOOM DEOBAND, (U.P.) INDIA

Ref. No............ Dated... ۱۲؍ اپریل ۸۶ء

از دہلی

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

مکرمی و محترمی زید مجدکم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ —

امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہونگے، —

شیخ الہند اکیڈمی کا دعوت نامہ ملاحظۂ گرامی سے گذرا ہوگا، مجلس شوریٰ سے ایک یوم قبل
۲۸؍ اپریل میں میٹنگ رکھی گئی ہے، —

جیسا کہ جناب نے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مجلس میں ضرور شرکت فرمائیں گے اور اپنے مفید
مشوروں سے نوازیں گے اسکے پیش نظر پوری توقع ہے کہ جناب تشریف لانے کا پروگرام
بنا چکے ہوں گے، —

جناب نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار فرمایا ہے جو ہم خدام دار العلوم کیلئے انتہائی مایوسی
اور تکلیف کا باعث ہے، جیسا کہ اس ناچیز نے زبانی طور پر عرض کیا تھا کہ یہاں قیام کی
کوئی پابندی نہیں ہوگی، جناب کی صوابدید کے مطابق پروگرام بن جائیگا، پھر جناب کو تامل
نہیں ہونا چاہئے، ممکن ہے جناب کو یہ خیال ہو کہ عمر کی اس منزل میں ذمہ داری کا بار
نہیں اٹھانا چاہئے اور گوشۂ عافیت میں زندگی گذارنی چاہئے، اس بارے میں یہ عرض کرنا ہے
کہ جناب کو تو اپنی نگرانی میں کام کی لائنیں مقرر کرکے ذی استعداد لوگوں کو اس کام میں
لگانا ہے اور انکی رہنمائی فرمانی ہے۔ یہ کام زیادہ بار کا باعث نہیں ہوگا —

ذاتی طور پر جناب اپنے ذوق اور دلچسپی کی بنا پر تحقیقی مقالے اور تصانیف تحریر فرماتے رہیں
وہ شیخ الہند اکیڈمی کی جانب سے شائع ہو کر اکیڈمی کی اہمیت اور بلند معیاری کا باعث ہونگے،

محترمی! اس ناچیز کی یہ گذارش ہے کہ جناب اپنی زیر نگرانی اور زیر تربیت کچھ ایسے
رجال علم بنا جائیں جو مستقبل میں اس علمی و دینی خدمت کو انجام دیتے رہیں، اور
دار العلوم کے مقاصد میں سے یہ مقصد بھی پورا ہوتا رہے، دار العلوم کا آپ پر حق بھی ہے،

مجھے امید ہے کہ جناب اس عاجز کی معروضات پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے اور اپنے فیصلہ پر نظر ثانی

فرمائیں گے،

بہر حال شیخ الہند اکیڈمی کی اس میٹنگ میں ضرور تشریف لے آئیں، مناسب ہو تو ایک دو روز قبل تشریف

لے آئیں تا کہ تمام نقشہ اور ضروری امور پر پہلے گفتگو ہو جائے،

امیدوار ہوں کہ اس معروضہ کو شرف قبولیت سے نوازیں گے،

جناب کیلئے دعا گو ہوں، اور دار العلوم کیلئے نیز اپنے لئے دعاؤں کا طالب ہوں —

والسلام

مرغوب الرحمن عفی عنہ

حکیم محمد سعید
HAKIM MOHAMMED SAID
HAMDARD NATIONAL FOUNDATION, PAKISTAN
NAZIMABAD - KARACHI-18
(PAKISTAN)

KARACHI : 616001-5 ; 616452 ; 215908 ; RES : 410612
LAHORE : 53819 PESHAWAR : 74186
RAWALPINDI : 64338 ; RESIDENCE : 67419

حوالہ نمبر : ذ / ت / ۸۶ / ۳

کراچی : ۱۰ ــــ شعبان المعظم ۱۳۰۶ ھ
۲۰ ــــ اپریل ــــ ۱۹۸۶ء

مکرمی و محترمی قاضی اطہر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا خط اور حسب ذیل کتب جو آپ نے از راہ کرم بھجوائی ہیں موصول ہوئیں :

۱) خلافت راشدہ اور ہندستان (۲) خلافت امویہ اور ہندستان (۳) خلافت عباسیہ اور ہندستان (۴) ہندستان میں عربوں کی حکومتیں (۵) اسلامی ہند کی عظمت رفتہ (۶) دیار پورپ میں علم و علما (۷) مآثر و معارف

یہ سب کتابیں ہمدرد یونیورسٹی لائبریری میں شامل کر دی گئی ہیں - اس تحفہ علمی پر میں آپ کا شکر گزار ہوں -

اس خط کے ساتھ مطبوعات ہمدرد کی فہرست ارسال خدمت ہے - اس میں آپ جو کتابیں ندوۃ المصنفین کے کتب خانے کے لیے پسند فرمائیں بھجوا دی جائیں گی -

صاحبزادے کی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں -

یقین ہے مزاج بعافیت ہوگا -

آپ کا مخلص

(حکیم محمد سعید)

بخدمت محترم جناب قاضی اطہر مبارک پوری صاحب
قاضی منزل - مبارک پور - اعظم گڑھ یوپی
انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قاضی اطہر مبارکپوریؒ

اے مورخ اے مبارکپور کے نورِ نگاہ ۔۔۔ اے سراپا علم و دانش فکر و فن کے بادشاہ

اے ادیب عصرِ نو پروردۂ دارالقضاء ۔۔۔ مصر کے بازار میں چلتا ہے سکہ آپ کا

باریابی "آم" کی ملکِ رُطب تک ہوگئی ۔۔۔ آپ کے افکار کی شہرت عرب تک ہوگئی

فکر نو سے کردیا شعلے کو شبنم آپ نے ۔۔۔ تشنہ کاموں کو پلایا "جام زمزم" آپ نے

قلبِ ظلمت میں جلایا یوں صحافت کا چراغ ۔۔۔ دم زدن میں ہوگئی روشن فضائے "البلاغ"

ہے "رجال ہند و سند" اہلِ نظر کے سامنے ۔۔۔ ہے "مآثر اور معارف" بھی بشر کے سامنے

عالمِ اسلام کو بھیجا پیامِ زندگی ۔۔۔ ناز کے قابل ہے "اسلامی نظامِ" زندگی

"ہند اسلامی" کو ہے کیا کیا بتایا آپ نے ۔۔۔ عظمتِ رفتہ کا افسانہ سنایا آپ نے

عقدۂ "عقد ثمیں" حل کرکے پانی کردیا ۔۔۔ ہر ورق کو مائل جادو بیانی کردیا

تذکرہ اسلام کا اس وقت بھارت میں بھی تھا ۔۔۔ "رشتۂ ہند و عرب" عہد رسالت میں بھی تھا

وادیٔ تاریخ میں بہتا ہے دریا نور کا ۔۔۔ تذکرہ ہے خوب علماءِ مبارکپور کا

شاعری کی بزم میں آکر سخنور ہوگئے ۔۔۔ تھے کبھی عبدالحفیظ اب قاضی اطہر ہوگئے

اللہ اللہ آپ کے زورِ قلم کا "انقلاب" ۔۔۔ اک زمانہ ہو رہا ہے درس حق سے فیضیاب

جملہ تصنیفات میں شامل علی ہے اور حسین ۔۔۔ ہے معطر جس کی خوشبو سے فضائے مشرقین

بانیٔ انصار کی خدمت عظیم الشان ہے ۔۔۔ دختران قوم پر یہ آپ کا احسان ہے

جانب ملکِ عدم حضرت بہ عجلت چل دئے ۔۔۔ چھوڑ کر ایوب ہم کو فخرِ ملت چل دئے

تیرگی میں نور کا مینار ہو کے رہ گئے

آپ آج اخبار اور آثار ہو کے رہ گئے

۹۶ ۔ ۷۰۱ ۔ ۶۱۹

از: ایوب مبارکپوری

میں بھارت کا راشٹرپتی

ذیل سنگھ

قاضی اطہر مبارکپوری

کو

عربی کی مسلمہ قابلیت

اور

علمی شغف کے لیے

یہ سند عطا کرتا ہوں

نئی دلی

راشٹرپتی

مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۸۵

۲۵ پھالگن ۱۹۰۶

مراجع ومصادر

عربی کتب

۱	قاضی اطہر مبارکپوری	رجالسندوالھند الی القرن السابع	مصر	۱۹۷۷ء
۲	"	الھندفی عھدالعباسیین	قاھرۃ	۱۹۷۸ء
۳	"	العقدالثمین فی فوح الھندو من و ردفیھامن الصحابة و التابعین	قاھرۃ	۱۹۶۸ء
۴	"	العرب والھندفی عھدالرسالة	قاھرۃ	۱۹۷۳ء
۵	"	حکومات العرب فی السندو الھند	ریاض	۱۹۷۵ء
۶	"	جواھرالاصول فی علم حدیث الرسول	مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ	۱۹۷۳ء

اُردو کتب

۷	"	قاضی اطہر مبارکپوری کے سفرنامے	قاضی اطہر اکیڈمی، لکھنؤ	۲۰۰۵ء
۸	"	تدوین سیر ومغازی	دہلی	۲۰۰۴ء
۹	"	عرب وہند عہد رسالت میں	دہلی	۱۹۶۴ء
۱۰	"	خلافت عباسیہ اور ہندوستان	دہلی	۱۹۷۵ء
۱۱	"	اسلامی ہند کی عظمت رفتہ	دہلی	۱۹۶۹ء
۱۲	"	تذکرہ علماء مبارکپور	مبارکپور	۱۹۷۴ء
۱۳	"	مسلمان	بمبئی	۱۹۵۳ء

۱۴	"	مآثر ومعارف	دہلی	۱۹۷۱ء
۱۵	"	افادات حسن بصری	مبارکپور	۱۹۵۰ء
۱۶	"	خیرالقرون کی درسگاہیں	دہلی	۲۰۰۴ء
۱۷	"	تبلیغی وتعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں	بمبئی	۱۹۸۵ء
۱۸	"	محمدؐ کے زمانے کا ہندوستان	دہلی	۲۰۰۵ء
۱۹	"	قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک	مبارکپور	۱۹۸۷ء
۲۰	"	علی وحسین	پاکستان	۲۰۰۰ء
۲۱	"	مکتوبات امام احمد بن حنبل	مئوناتھ بھنجن، مئو	۲۰۰۶ء
۲۲	"	مے طہور	دہلی	۲۰۰۶ء
۲۳	"	علماء اسلام کے القاب وخطابات	دہلی	۲۰۰۴ء
۲۴	"	ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت	دہلی	۲۰۰۶ء
۲۵	"	مختصر سوانحی خاکہ اور علمی کارنامے	مبارکپور	۱۹۹۶ء
۲۶	"	کاروان حیات	دہلی	۲۰۰۴ء
۲۷	"	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	دہلی	۱۹۶۷ء
۲۸	"	مسلمانوں کے ہر طبقے میں علم وعلماء	دیوبند	۱۹۹۸ء
۲۹	"	آثار واخبار	دہلی	۱۹۸۸ء
۳۰	"	خلافت بنوامیہ اور ہندوستان	دہلی	۱۹۷۵ء

English Book

☆ Comparative Tables of Muhamdan and Christian Dates by Sir Wolsely Haig London 1932.

جرائد ورسائل

۱	قاضی اطہر مبارکپوری	ماہ نامہ البلاغ	بمبئی	۱۹۶۴ء
۲	"	روزنامہ انقلاب	بمبئی	۱۹۸۶ء
۳	"	روزنامہ انقلاب	بمبئی	۱۹۸۴ء
۴	"	روزنامہ انقلاب	بمبئی	۱۹۵۱ء
۵	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۵۹ء
۶	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۶۰ء
۷	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۵۸ء
۸	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۶۱ء
۹	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۶۲ء
۱۰	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۶۳ء
۱۱	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۶۴ء
۱۲	"	معارف	اعظم گڑھ	۱۹۶۵ء
۱۳	"	نمبر ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخوپور	اعظم گڑھ	۲۰۰۳ء
۱۴	"	نمبر ترجمان الاسلام	بنارس	۹۷-۱۹۹۶ء

۱۵	"	نمبر ماہ نامہ ندائے شاہی	مرادآباد	۱۹۹۹ء
۱۶	ضیاء الدین اصلاحی	ماہ نامہ معارف اگست	اعظم گڑھ	۱۹۹۶ء
۱۷	ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی	شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج میگزین	اعظم گڑھ	۱۹۹۷-۹۸ء
۱۸	ضیاء الحق خیرآبادی	ماہ نامہ ضیاء الاسلام شیخ الاسلام شیخوپور	اعظم گڑھ	۲۰۱۰ء